3



رجالِ قرآن

وہ مردانِ حق جن کے بارے میں قرآن کریم نازل ہوا

دارالسلام
DARUSSALAM

ڈاکٹر عبدالرحمٰن عمیرہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیه ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com
www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com



رجالِ قرآن

وہ مردانِ حق جن کے بارے میں قرآن کریم نازل ہوا

© مکتبة دارالسلام، ١٤٣٤ هـ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
عميرة، عبدالرحمن
رجال انزل الله فيهم قرانا / عبدالرحمن عميرة - الرياض، ١٤٣٤ هـ
٣ مج. ص: ٢٣٢ مقاس: ١٤×٢١ سم
ردمك: ٩-٢٦٣-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨ (مجموعة)
٠-٢٦٦-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨ (ج ٣) (النص باللغة الاردية)
١- الصحابة والتابعون ٢- القرآن - اسباب النزول ٣- السيرة النبوية أ. العنوان
ديوي ٢٣٩,٩ ١٤٣٤/١٠٩١٦ رقم الإيداع: ١٤٣٤/١٠٩١٦
ردمك: ٩-٢٦٣-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨ (مجموعة)
٠-٢٦٦-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨ (ج ٣)

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب
فون: 4033962-4043432 1 00966 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com
Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض • العلیا فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945 • الملز فون: 4735220 1 00966 فیکس: 4735221
• سویدی فون: 4286641 1 00966 • سویلم فون/فیکس: 2860422 1 00966
جدہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270 مدینہ منورہ فون: 8234446,8230038 4 00966 فیکس: 04 8151121
الخبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551 3 00966 خمیس مشیط فون/فیکس: 2207055 7 00966
ینبع البحر فون: 0500887341 فیکس: 8691551 قصیم (بریدہ) فون: 0503417156 فیکس: 3696124 6 00966

امریکہ • نیویارک فون: 5925 625 718 001 • ہیوسٹن: 0419 722 713 001 کینیڈا • نصیر الدین الخطاب فون: 4186619 416 001
لندن • دارالسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لمیٹڈ فون: 77252246 20 0044-85394885 20 0044 • بارک انٹرنیشنل: 7739309 0121 0044
متحدہ عرب امارات • شارجہ فون: 5632623 6 00971 فیکس: 5632624 فرانس فون: 52928 480 01 0033 فیکس: 52997 480 01 0033
انڈیا • دارالسلام انڈیا فون: 45566249 44 0091 موبائل: 12041 98841 0091 • اسلامک بکس انٹرنیشنل فون: 4180 2373 22 0091
• ہدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرز فون: 4892 2451 40 0091 موبائل: 30850 98493 0091 • اسلامک بک سنٹر فون: 42157847 44 0091
سری لنکا • دار الکتاب فون: 358712 115 0094 • دار الایمان فون: 2669197 114 0094

پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

لاہور 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ لاہور فون: 00 4 32 372, 24 400 372, 34 240 373 42 0092 فیکس: 72 540 373 042
• غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 54 200 371 42 0092 فیکس: 03 207 373 042
• Y بلاک، کول کمرشل مارکیٹ، دکان: 2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون: 10 926 356 42 0092

کراچی مین طارق روڈ، ڈولمن مال سے (بہادرآباد کی طرف) دوسری گلی کراچی فون: 36 939 343 21 0092 فیکس: 37 939 343 21 0092

اسلام آباد F-8 مرکز، ایوب مارکیٹ، شاہ ویب سنٹر: 13 815 22 51 0092

3

رجالِ قرآن

وہ مردانِ حق جن کے بارے میں قرآن کریم نازل ہوا

ڈاکٹر عبدالرحمٰن عمیرہ

اردو قالب: مولانا اقبال صدیق مدنی

دارالسلام
DARUSSALAM

بسم الله الرحمن الرحيم

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔



فہرست

عرض ناشر

یہ جون 2012ء کی بات ہے کہ راقم الحروف ریاض کے مشہور اشاعتی ادارے دار اللواء للنشر والتوزیع کے شوروم میں گیا۔ مجھے ایک کتاب کی تلاش تھی جو میرے علم کے مطابق اسی ادارے سے ملتی تھی۔ مطلوبہ کتاب ملی یا نہ ملی یہ مجھے اب یاد نہیں مگر مجھے اس ادارے کی شائع شدہ کتاب ''رجال أنزل اللّٰہ فیھم قرآنا'' نظر آگئی۔ میں کسی زمانے میں اس کتاب کو جستہ جستہ دیکھ چکا تھا۔

میں اس بات پر اللہ کا شکر گزار ہوں کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلامی تاریخ سے محبت ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ میری ذاتی لائبریری میں تاریخ سے متعلق بہت ساری کتابیں ہیں۔ اگر ہم اسلامی تاریخ کی بات کریں تو اس کا کوئی صفحہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذکر سے خالی نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نام آتے ہی وہ سنہرا دور آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے جب اللہ کے رسول ﷺ کے زیر تربیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو راضی کرنے کے لیے اپنی زندگیاں دین پر فدا کر گئے تھے۔ صحابہ کرام نے جس طرح اللہ اور اس کے محبوب ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی اور اس کے لیے قربانیاں دیں تاریخ ان کی مثال دینے سے قاصر ہے۔ صحابہ کرام ان اوقات کی تلاش میں رہتے تھے

کہ کب انھیں وقت ملے اور وہ اللہ کے رسول ﷺ کو راضی کریں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بعض ایسی خوش قسمت شخصیات بھی تھیں کہ جن کے افعال اور اعمال کا تذکرہ اللہ رب العزت کو اتنا پسند آیا کہ ان کا ذکر قرآن کریم میں کر دیا۔

قرآن کریم بلاشبہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ دنیا کا کونسا ایسا ملک ہوگا جس میں مسلمان نہ بستے ہوں؟ اور جہاں مسلمان ہوں گے وہاں قرآن ہوگا اور قرآن کریم میں ان صحابہ کرام کا تذکرہ ہوگا جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں کیا ہے۔

آج کے اس پرفتن دور میں جبکہ نوجوان نسل بتدریج اسلام سے دور ہو رہی ہے، اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم اپنے نوجوانوں کو اپنے اسلاف کی سیرت پڑھائیں، وہ اسے سنیں اور جانیں کہ ان کی زندگیاں کیسی تھیں، ان کے اخلاق و کردار کیسے تھے اور انھوں نے اسلام کے لیے کتنی قربانیاں پیش کیں۔

میں دار اللواء سے باہر نکلا تو میرے ہاتھ میں "رِجَالٌ أَنْزَلَ اللّٰهُ فِيهِمْ قُرْآنًا" کا 7 جلدوں پر مشتمل مکمل سیٹ تھا۔ میں نے اسے جستہ جستہ پڑھا۔ یہ تو نہیں کہوں گا کہ تمام جلدیں پڑھیں مگر مجھے اس کتاب کے فاضل مؤلف ڈاکٹر عبدالرحمن عمیرہ کا اسلوب بیان بڑا عمدہ لگا۔ انھوں نے بالکل کہانی کے انداز میں ان صحابہ کرام کی سیرت اس کتاب میں بیان کی ہے جن کے بارے میں قرآن کریم میں آیات نازل ہوئی ہیں۔ انھوں نے اس کتاب میں صحابہ کرام ہی نہیں بلکہ ان کفار کے بارے میں بھی پوری تفصیل کے ساتھ لکھا ہے جن کے بارے میں قرآن نازل ہوا۔

کتاب میں موجود واقعات تاریخ کی مستند کتابوں سے نقل کیے گئے ہیں، ممکن ہے کہ مجھے اور ہمارے قارئین کو ان کی بعض باتوں اور بعض واقعات سے اختلاف ہو مگر بہر حال ان واقعات اور صحابہ کرام کی مبارک زندگیوں میں ہمارے لیے دروس ہیں۔ ڈاکٹر عبدالرحمن عمیرہ

نے قلم اٹھایا تو اچھے اور برے لوگوں کی قلمی تصویریں کھینچ دیں۔ ذرا ان تصویروں پر نظر ڈالیے کہ صحابہ کرام کی تصاویر اتنی دلربا ہیں کہ انھیں دیکھ کر انسان نیکی کا متوالا بن جاتا ہے۔

یوں تو تمام کفار نے اللہ اور رسول ﷺ کی مخالفت کی اور اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں میں ملوث رہے اور اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہے مگر کتنے ہی کافر اور منافق ایسے بھی تھے کہ جن کا کام ہی یہ تھا کہ وہ ہر وقت اسلام کے خلاف منصوبہ بندی کرتے رہتے۔ ایسے کافروں اور منافقوں کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آیات نازل کیں۔ فاضل مؤلف نے سلسلۂ کتاب میں ان کافروں اور منافقین کے بارے میں بھی تفصیل سے لکھا ہے کہ انھوں نے کیا اور کیسی سازشیں کیں اور اللہ تعالیٰ نے کیسے قرآن کریم میں ان کی سازشوں کو بے نقاب کیا۔

بلاشبہ ان واقعات میں امت مسلمہ کے لیے بطور خاص اور انسانیت کے لیے بالعموم کتنے ہی دروس اور عبرتیں ہیں۔

دارالسلام نے اپنے اصول کے مطابق اس کتاب کے پبلشر دار اللواء کے ساتھ ترجمہ کے حقوق کی بات کی۔ اور ایک خطیر رقم کے عوض ہم اس کتاب کے مختلف زبانوں میں ترجمے کے حقوق حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

مجھے امید ہے کہ ہمارے قارئین کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت کا یہ نیا اسلوب پسند آئے گا۔ اس ضمن میں وہ قرآن مجید کے بہت سے اسباب نزول سے بھی آگاہ ہوں گے، فہم قرآن کے سلسلے میں بھی انھیں مدد ملے گی اور تاریخ کے گمنام گوشوں سے بھی وہ گزریں گے۔

میں نے پہلے عرض کیا کہ میرے سامنے دارالسلام کی کتب کا انتخاب کرتے وقت زیادہ تر ہماری نوجوان نسل بطور خاص کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلباء اور طالبات ہوتے ہیں۔ ہم اپنی ان کتب میں ان کے لیے یقیناً بہت سا مواد ایسے سادہ اور دلکش

پیرائے میں پیش کرتے ہیں کہ یہ واقعات ان کے دلوں میں اتر جائیں اور ان کی کردار سازی میں مدد کریں۔ اور ان کے لیے یہ کتب راہنما اصول بن جائیں۔

اللہ کے رسول ﷺ کی بعثت کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ لوگوں کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ ان کا تزکیۂ نفس کریں۔ میں کئی مرتبہ سوچتا ہوں کہ کتنی زبردست تربیت اور تزکیۂ نفس تھا کہ ایک شخص صبح اسلام قبول کرتا ہے تو شام تک اس میں اسلامی عقیدہ راسخ ہو جاتا ہے، وہ توحید کا علمبردار اور امن کا داعی بن جاتا ہے، اس کی اخلاقی اور روحانی تربیت فوراً ہو جاتی ہے اور وہ معاشرے کا ایک مثالی فرد بن جاتا ہے۔ اسلام کا سرفروش سپاہی اور مجاہد بن جاتا ہے۔

کتابوں کا یہ سلسلہ خواہ وہ صحابہ کرام سے تعلق رکھتا ہو یا کفار مکہ اور منافقین کے احوال سے متعلق ہو، امت مسلمہ کے لیے راہنما اصول مہیا کرتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس سلسلے کو اسکولوں، کالجوں اور حلقۂ دروس سے منسلک احباب اور ائمہ مساجد، خطباء، سیاستدان، تاجر، وکلاء، جج، ادباء اور سول سروس کے ملازمین کے علاوہ عام شہری، خواہ مرد ہوں یا معزز خواتین، خوب پسند کریں گے اور اس سے بھرپور استفادہ کریں گے۔ ان شاء اللہ

اللہ رب العزت سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب کے فاضل مؤلف، مترجم، ناشر اور دیگر معاونین کی کوششوں کو قبول فرمائے۔ اس سلسلے کو مقبول عام بنائے اور ہماری نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین ثم آمین۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

محبکم

عبدالمالک مجاہد

مینیجنگ ڈائریکٹر دارالسلام، الریاض، لاہور

فروری 2013ء

ربیع الاول 1434ھ



عرض مترجم

الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده،

أما بعد:

قرآن کریم ہمارے پروردگار مالک الملک، خالق کائنات کا کلام عالی شان ہے۔ یہ قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کے نام اللہ رب العزت کے اوامر و نواہی کا آخری پیغام ہے۔ اس آخری آسمانی کتاب میں اللہ تعالیٰ نے آخرت میں اپنے فضل و کرم کے ابدی حقائق آشکار فرما دیے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ پہلی امتوں کے حالات بیان فرمائے ہیں، نیز ان پاکباز ہستیوں کا تذکرہ بھی ہے جو نزول قرآن کے وقت موجود تھیں۔ اللہ عزوجل اس کتاب کے ذریعے سے اپنے بندوں کی کتنے حسین اور دلنشین انداز میں رہنمائی فرماتا ہے۔ یہ حقیقت آپ پر زیر مطالعہ کتاب سے خود بخود عیاں ہو جائے گی۔

دارالسلام امت اسلامیہ کی بھلائی اور خیر خواہی کے لیے قرآن و سنت کے جواہر پارے بڑی محنت و جانفشانی سے نہایت خوبصورت پیرائے میں شائع کرتا ہے۔ اللہ عزوجل نے دارالسلام کے مینیجنگ ڈائریکٹر جناب عبد المالک مجاہد ﷾ کو اکسیرے

جیسی نظر عطا فرمائی ہے جو ہر نافع و جامع کتاب میں نفوذ کر جاتی ہے۔ وہ اسے فوراً بہت آسان اور دلکش ترجمے کے ساتھ شائع کرنے کا اہتمام کرتے ہیں تاکہ ملت اسلامیہ کتاب وسنت کے جواہر اپنے عمل میں سجالے۔

زیر نظر کتاب دراصل ایک ایسے ہی خوبصورت سلسلے کی سنہری کڑی ہے۔ اس میں عرب مؤلف ڈاکٹر عبد الرحمٰن عمیرہ حفظہ اللہ نے قرآن کی ان مبارک آیات کا انتخاب کیا ہے جو کسی نہ کسی حوالے سے کسی نہ کسی فرد کے بارے میں اتریں۔ مؤلف حفظہ اللہ نے پہلے قرآن کی آیات بیان فرمائیں، پھر ان آیات کے بارے میں مفسرین، محدثین اور سیرت نگاروں کے اقوال درج کیے کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس کے بعد مذکورہ صحابی کے مختصر حالات زندگی بیان کیے، نیز آیت کی شان نزول بھی بیان کردی۔ آخر میں آیت اور مذکورہ قصے سے حاصل ہونے والے فوائد و اسباق بھی بڑے نپے تلے الفاظ میں بیان کردیے۔ یہ کتاب سات اجزا پر مشتمل ہے جبکہ زیر نظر کتاب ساتویں جز پر مشتمل ہے۔ اس جز میں قرآن کے آٹھ مختلف مقامات سے آیات مقدسہ لے کر آٹھ صحابہ کرام کی مختصر سی جگمگاتی ہوئی سیرت قارئین کی خدمت میں پیش کردی ہے۔

اس جز کے اردو ترجمے کی ذمہ داری ادارہ دار السلام نے مجھے تفویض کی۔ میں اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھ ناچیز کو اس کتاب کے ترجمے کی توفیق عطا کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت کا چراغ روشن کرنے کی سعادت بخشی۔ میں اپنے اہل خانہ کا بھی ممنون ہوں کہ انھوں نے میری اتنی خوبی اور خلوص سے خدمت کی کہ میں نے اس کتاب کے اردو ترجمے کے لیے آسانی سے زیادہ سے زیادہ وقت نکال لیا۔

الله تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس مختصر تحریر کو امت مسلمہ کے لیے مفید اور نتیجہ خیز بنائے اور اس کے مؤلف، مترجم، ناشر اور قاری کے حسنات و برکات میں روز افزوں اضافہ فرمائے۔ آمین!

مترجم

ابوزید حافظ اقبال صدیق المدنی

دارالسلام، لاہور

مقدمہ مؤلف

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَ نَسْتَعِيْنُهُ وَ نَسْتَغْفِرُهُ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

أَمَّا بَعْدُ:

معزز قارئین! اس حصے میں ہم ان شخصیات کا تذکرہ کریں گے جن کے بارے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن نازل کیا تھا اور جو بعد کے دور میں امت مسلمہ کے عہد فتن میں موجود تھیں۔ ان فتنہ خیز جنگوں کی وجہ سے فتوحات اسلامیہ کا پھیلاؤ رک گیا تھا اور بعض علاقوں سے خراج آنا بھی بند ہوگیا تھا۔

اس حادثۂ فاجعہ کو بیتے چودہ صدیاں گزر گئی ہیں۔ یہ حادثات یقیناً ایک بہت بڑا فتنہ تھے جن کے شر سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بچا لیا۔ جیسے ہی فتنوں کا دور ختم ہوا چہار دانگ عالم میں اسلامی فتوحات کا پھریرا ایک بار پھر لہرانے لگا۔ مسلمانوں نے خوف کے بعد امن کی فضا قائم کردی۔ لڑائی اور فتنوں کی ظلمتوں کے بعد ہدایت وامن

کی روشنی پھیلا دی اور توحید کا علَم ہر سو لہرا دیا۔

میں نے امت مسلمہ میں ان فتنوں کو ہوا دینے والے اسباب کی جو چھان پھٹک کی ہے، ان میں ایک یہ واقعہ دل کو لگتا ہے۔ یہ ایک مکالمہ ہے جو زرقاء بنت عدی اور حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے درمیان ہوا۔ زرقاء کوفہ کے لشکر کو شام کے لشکر کے خلاف بھڑکاتی تھی۔ ایک مرتبہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور حکومت میں اسے عزت و تکریم کے ساتھ دمشق لانے کا حکم دیا۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور زرقاء کے درمیان مکالمہ:

جب زرقاء معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں پہنچی تو انھوں نے پوچھا: خالہ جان! آپ کیسی ہیں اور سفر کیسا رہا؟

زرقاء: سفر بہت اچھا رہا، راستے میں کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔

معاویہ رضی اللہ عنہ: آپ لوگوں کو ہمارے خلاف برانگیختہ کیوں کرتی تھیں؟

زرقاء: امیر المؤمنین! عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے۔ علی رضی اللہ عنہ بھی قاتلانہ حملے میں شہید ہو گئے۔ زمانہ بھی تغیر پذیر ہے۔ جو غور کرے گا اسے بصیرت حاصل ہو جائے گی اور ایک واقعہ دوسرے کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ: آپ جو باتیں کہا کرتی تھیں، وہ آپ کو یاد ہیں؟

زرقاء: نہیں!

معاویہ رضی اللہ عنہ: آپ کا باپ بہت اچھا آدمی تھا۔ میں نے خود آپ سے سنا ہے کہ آپ اس قسم کی ذو معنی باتیں کیا کرتی تھیں: لوگو! سورج کے سامنے دیا نہیں جلتا، چاند کی موجودگی میں ستارے روشنی نہیں دیتے، بے شک خچر گھوڑے سے سبقت نہیں لے

جا سکتا اور لوہے کو لوہا ہی کاٹتا ہے۔ اسی طرح اہل حق اور اہل باطل برابر نہیں ہو سکتے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۗ لَا يَسْتَوٗنَ ﴾

''کیا پھر مومن ایسے ہوسکتا ہے جیسے فاسق، وہ (کبھی) برابر نہیں ہو سکتے۔''[1]

(زرقاء نے اس ذو معنی کلام میں علی رضی اللہ عنہ کو سورج، چاند اور گھوڑے سے تشبیہ دی ہے، اسی طرح انھیں حق والا گردانا اور اس کے برعکس معاویہ رضی اللہ عنہ کو شمار کیا تھا۔)

معاویہ رضی اللہ عنہ زرقاء کی باتیں اسے یاد دلا کر کہنے لگے: آپ کہا کرتی تھیں: لڑائی، لڑائی........... یعنی اب علی اور معاویہ (رضی اللہ عنہما) کے درمیان جنگ ہو کے رہے گی، لہٰذا تم لوگ صبر کرنا، صبر کرنا........... (اور آپ لوگوں کو لڑائی پر ابھارتے ہوئے کہا کرتی تھیں:) عورتوں کا خضاب مہندی ہے جبکہ مردوں کا خضاب خون ہے۔ اے زرقاء! بتاؤ کیا آپ اسی طرح لوگوں کو ابھارا نہیں کرتی تھیں؟

زرقاء: ہاں معاملہ کچھ ایسا ہی تھا۔

معاویہ رضی اللہ عنہ: علی رضی اللہ عنہ نے جو خون بہایا آپ اس میں شریک ہیں۔

زرقاء: امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ آپ کے چہرے کی رونق بڑھائے اور آپ کو سلامتی عطا کرے۔ آپ جیسوں کو خیر کی بشارات ملتی رہیں اور آپ کے دوست خوش ہوتے رہیں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ: کیا آپ اس سے خوش تھیں؟

زرقاء: اللہ کی قسم! مجھے خوشی تو ہوئی لیکن یہ میرے نصیبے میں کہاں! (کاش! یہ خوشی بھی

---

[1] السجدة 18:32.

پوری ہوجاتی۔)

معاویہ رضی اللہ عنہ: اللہ کی قسم! علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد آپ کی ان سے وفاداری، ان کی زندگی میں ان سے محبت کی نسبت مجھے زیادہ پسند ہے۔ آپ کی کوئی ضرورت ہو تو بتائیں۔

زرقاء: امیر المؤمنین! میں نے قسم کھائی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے بعد کسی سے سوال نہیں کروں گی۔

معاویہ رضی اللہ عنہ: لوگوں نے مجھے آپ کے قتل کا مشورہ دیا ہے۔

زرقاء: مشورہ دینے والا بڑا کمینہ ہے۔ اگر آپ نے اس کی بات مان لی تو آپ بھی شریکِ جرم قرار پائیں گے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ: ہم ہرگز ایسا نہیں کریں گے بلکہ آپ سے درگزر کرتے ہیں۔

زرقاء: اے امیر المؤمنین! یہ آپ کا کرم ہے۔ آپ تو اس صفت کے مالک ہیں کہ قدرت رکھنے کے باوجود معاف کردیتے ہیں۔ برائی کرنے والے سے درگزر کرتے ہیں اور بن مانگے عطا کرتے ہیں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں خلعت سے نوازا اور اچھی خاصی جاگیر عطا کی۔ [1]

ہم اللہ کے حضور دست بدعاء ہیں کہ وہ امت اسلامیہ کو دین و دنیا کی بھلائیاں نصیب فرمائے۔ آمین!

إنه سميعٌ قريبٌ مُجيبُ الدعاء

د: عبدالرحمٰن عمیرہ

[1] مختصر تاریخ دمشق: 3/250.



جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما

پہلی آیت

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ۚ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَا إِن لَّمْ يَكُن لَّهَا وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ ۚ وَإِن كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۗ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَن تَضِلُّوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ ﴾

''(اے نبی!) لوگ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے: اللہ'' کلالہ'' کے بارے میں حکم دیتا ہے، اگر کوئی شخص مرجائے جس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہوتو اس کے لیے بھائی کے چھوڑے ہوئے مال کا آدھا حصہ ہے۔ اور اگر بہن کی اولاد نہ ہو، تو اس کا بھائی اس کا وارث ہوگا، پھر اگر بہنیں دو (یا دو سے زیادہ) ہوں تو ان کے لیے بھائی کے چھوڑے ہوئے مال کا دو تہائی ہے۔ اور اگر کئی بھائی بہن، مرد اور عورتیں (وارث) ہوں تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہوگا، اللہ تمھارے لیے وضاحت سے بیان کرتا ہے تا کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔''[1]

[1] النسآء 4:176.



آیت کی شان نزول سے متعلق علماء کے اقوال

بعض مفسرین، محدثین اور اہل سیرت نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ بات امام طبری نے اپنی تفسیر (41/1)، امام ابن کثیر نے اپنی تفسیر (592/1)، امام قرطبی نے تفسیر القرطبي (28/6)، تفسیر الخازن (524/1) میں علاء الدین علی بن محمد البغدادی نے اور فتح الباری (268/1) میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھی ہے۔

نیز معالم التنزیل میں امام بغوی نے بھی یہی بیان کیا ہے۔

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کون تھے؟ آیئے! آپ کو قرون اولیٰ کی سیر کراتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ایک باپ اپنے بچے کی کس طرح تربیت کرتا ہے اور بچہ اپنے والد سے کس طرح توحید اور اسلام کا سبق سیکھتا ہے۔

جابر رضی اللہ عنہ کا نسب

جابر بن عبد اللہ بن عمرو بن حرام بن ثعلبہ خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ فقہاء صحابہ میں سے ہیں۔ ان کے والد عبد اللہ رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہیں۔ مدینۃ الرسول (یثرب) میں پیدا ہوئے۔

مدینہ شہر خوبصورت اور وسیع و عریض باغات کا علاقہ ہے۔ ان باغوں سے وافر پھل

حاصل ہوتا ہے۔ مدینہ کی سرسبزی و شادابی کی وجہ درختوں کی بہتات ہے۔ بہت سے درخت خوشبودار پھولوں والے ہیں جبکہ اکثر پھلوں سے لدے پھندے ہیں۔ ایسا خوبصورت منظر ہے کہ دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوجاتی ہیں، دل خوش ہوجاتا ہے اور زندگی میں تروتازگی اور رونق بھر جاتی ہے۔

نواحِ مدینہ میں جابر رضی اللہ عنہ کے والد کے کھیت تھے۔ یہ بھی اپنے ابو کے ساتھ کھیتوں میں جایا کرتے تھے۔ بچے ہونے کے ناتے انھیں یہ جگہ بہت پسند تھی۔ اسی لیے یہاں ان کا اکثر آنا جانا رہتا تھا۔ جابر رضی اللہ عنہ کھیت میں بیٹھ جاتے اور پانی کی آواز بڑے غور سے سنتے جو کھیت کے باہر چٹانوں کے دہانوں سے نکل کر بہہ رہا ہوتا تھا۔ جابر رضی اللہ عنہ بہتے پانی کو دیکھتے جو بڑے آرام سے چلتا ہوا انجیر کے درختوں اور انگور کی بیلوں کے نیچے پہنچ جاتا۔ پانی جیسے ہی درختوں کو ملتا وہ لہلہا اٹھتے، پھول کھل جاتے اور فضا خوشبو سے معطر ہوجاتی۔

جابر رضی اللہ عنہ کا سفر مکہ

ایک دن ننھے جابر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ابو کسی دور کے سفر کی تیاری کر رہے ہیں۔ قافلے کی روانگی سے پہلے عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیٹے کو کھیتوں کی دیکھ بھال کے متعلق ہدایات دیتے ہوئے کہا: میرے آنے تک اچھا بیٹا بن کر رہنا اور اپنی ماں کا کہنا ماننا۔ اس خوشی میں واپسی پر تجھے نئے کپڑے بنوا کر دوں گا اور تو جو کھلونا اور مٹھائی کہے گا لے کر دوں گا۔ لیکن جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کی کوئی بھی پیش کش قبول کرنے سے انکار کر دیا بلکہ وہ اپنے والد کے ساتھ چمٹ گیا اور اصرار کرنے لگا کہ میں بھی اس سفر میں آپ کے ساتھ جاؤں گا۔ اب میں اتنا چھوٹا بھی نہیں کہ راستے کی تھکاوٹ یا سفر کی

مشقت برداشت نہ کرسکوں۔ بچے نے جب والد کے حکم کو اہمیت نہ دی اور والد کے ساتھ جانے پر اصرار کیا تو والد کو اس کی خواہش کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے اور اسے بھی ساتھ لے جانا پڑا۔

قافلہ سوئے مکہ چل پڑا اور منزلوں پہ منزلیں طے کرتا چلا گیا۔ یہ کوئی تجارتی قافلہ نہیں تھا اور نہ اس میں ڈکیت اور قزاق تھے جن کا مقصد غارت گری اور زمین اور فصلوں پر ناحق قبضہ ہوتا ہے، اور نہ ہی یہ قافلہ کسی فوری منافع کے حصول کے لیے روانہ ہوا تھا جیسے کوئی شادی کا قافلہ ہو جو باجوں گاجوں کے شور میں دلہن لینے جا رہے ہوتے ہیں۔

سچی بات ہے کہ یہ قافلہ ایک نئی قسم کا تھا۔ یہ انصار کے مردوں اور عورتوں کی ایک جماعت تھی۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے فرستادہ نبی کی دعوت سن لی تھی۔ ان کے سینے قرآن کریم کی بعض آیات کو محفوظ کیے ہوئے تھے جو رسول کریم ﷺ کے سفیر سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ انھیں پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ ان کی تبلیغ سے وہ لوگ اسلام قبول کر چکے تھے اور اپنے معبودان باطلہ سے کنارہ کش ہو چکے تھے۔ وہ اس دن کے شدت سے منتظر تھے جس دن یہ رسول کریم ﷺ سے ملاقات کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ سے ملاقات اور بیعت

قافلہ چلتا رہا حتی کہ مکہ کی بالائی بستیاں اور پہاڑی چوٹیاں نظر آنے لگیں۔ یہاں انھوں نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا اور رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے لیے ایک قاصد روانہ کیا۔ قاصد نے واپس آ کر خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ اس رات فلاں جگہ ان سے ملاقات کریں گے۔ بالآخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور ملاقات کا وقت آن پہنچا۔

نوجوان جابر نے رسول کریم ﷺ کے دیدار کا شرف اس وقت حاصل کیا جب آپ ﷺ انصار سے مصافحہ فرما رہے تھے اور انھیں خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ جابر رضی اللہ عنہ کے دل میں بھی نور ایمان جاگزیں ہوگیا تھا۔ رسول کریم ﷺ کی محبت ان کے دل میں جگہ بنا چکی تھی۔ آپ ﷺ کی پیاری صورت ان کے ذہن میں ثبت ہوچکی تھی جو مٹائے نہ مٹتی تھی۔

ملاقات ختم ہوئی اور رسول اللہ ﷺ اور انصار کے درمیان بیعت مکمل ہوگئی جو آگے چل کر اس دعوت حق کی تاریخ میں اہم موڑ ثابت ہونے والی تھی۔ یہ انصار اپنے مہاجر بھائیوں کے ساتھ اس دعوت کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچانے والے تھے۔ انھیں پوری انسانیت کو توحید کی دعوت دینی تھی اور غیر اللہ کی پوجا سے روکنا تھا۔ وہ خود بھی توحید والے بن گئے تھے اور انھیں دوسروں کو بھی توحید پرست بنانا تھا، اس لیے کہ انسان سب برابر ہیں، کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ اور عملِ صالح کے۔

جابر رضی اللہ عنہ کا اپنے والد گرامی سے ایک مکالمہ

اب یہ قافلہ رسول کریم ﷺ سے ملاقات اور بیعت کا شرف حاصل کر کے مدینہ کی طرف واپس چل دیا۔ راستے میں نوجوان جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے سوالات پوچھنے شروع کر دیے:

جابر رضی اللہ عنہ: ابو جان! جنھوں نے سب آدمیوں سے مصافحہ کیا، جن کا روشن چہرہ، سچی گفتگو اور عمدہ خوشبو تھی، وہ کون تھے؟

والد: بیٹا! یہی اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔

جابر: وہ اللہ کون ہے جس نے انھیں مبعوث کیا ہے؟

والد: بیٹا! وہی اللہ تعالیٰ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا، جو روشن دن لاتا ہے تو ہم کھیتوں میں جاتے ہیں اور جو رات کا اندھیرا لاتا ہے تو ہم اپنے گھروں کو لوٹ آتے ہیں۔

جابر: پیارے ابا جان! آپ جو کہنا چاہتے ہیں، میں اسے اچھی طرح سمجھ نہیں پایا۔

والد: بیٹا! میں اس کی وضاحت کیے دیتا ہوں۔ بیٹا! اس پانی کو تو دیکھتا ہے جو پہاڑ کی کھوہ سے ہمارے کھیتوں میں آتا ہے، تیرے خیال میں اسے کون بھیجتا ہے؟

جابر: ابو جان! مجھے اس کا علم نہیں۔

والد: بیٹا! وہ بیج تو نے دیکھے ہوں گے جنھیں میں نے چند دن پہلے مٹی میں ڈالا تھا، پھر ہم دونوں نے انھیں پانی دیا تھا، پھر مٹی سے نرم و نازک پودے نکل آئے تھے۔

جابر: جی ہاں، ابا جان!

والد: یہ پودے کس نے اگائے تھے؟

جابر: ابا جان! میں نہیں جانتا۔

والد: بیٹا! کیا تو نے آسمان کو دیکھا ہے جو ستاروں سے بھرا ہوا ہے جن سے چھن چھن کر روشنی آتی ہے اور مسافر راہنمائی حاصل کرتے ہیں، اسی طرح کوچ کرنے والوں والوں کے اوقات کی تعیین بھی کرتے ہیں؟

جابر: ابا جان! بات ایسے ہی ہے۔

والد: ان خوبصورت ستاروں کو آسمان پر کس نے سجایا ہے کہ وہ گرتے نہیں اور کس نے انھیں ایسی شاندار ترتیب سے رکھا ہے کہ وہ کبھی ٹکراتے نہیں؟

جابر: میں نہیں جانتا، ابا جان!

والد: میرے پیارے بیٹے! جس ذات نے یہ سارے کام انجام دیے وہی اللہ ہے جو ہر قسم کے نقائص و عیوب سے پاک اور بلند تر ہے، وہ اکیلا ہے، بے نیاز ہے۔ اس نے کسی کو جنم نہیں دیا اور نہ کسی نے اسے جنم دیا ہے اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔ یہی وہ اللہ ہے جو نقائص و عیوب سے منزہ اور بلند شان والا ہے۔ اسی نے اپنے بندے محمد بن عبداللہ ﷺ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ آپ لوگوں کو بتوں کی پرستش سے ہٹا کر اکیلے اللہ کی عبادت پر لگا دیں اور انھیں انسانوں کی بندگی سے نکال کر اکیلے غالب اللہ کی بندگی پر لگا دیں۔

بیٹا! اب تو بھی اس کلمے کا اقرار کر لے جو تجھ سے پہلے تیرے والد نے کیا ہے، یعنی کلمہ شہادت کا اقرار:

«أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ»

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔''

جابر رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

جابر رضی اللہ عنہ نے کلمہ شہادت پڑھ لیا اور صحابہ کی جماعت میں شریک ہو گئے۔ چلتے چلتے قافلہ جب آرام کرنے اور پانی وغیرہ لینے کے لیے رکا تو والد نے اپنے بیٹے کو پانی کے پاس لے جا کر اسے وضو کرایا۔ اب جابر رضی اللہ عنہ ایک نئے انسان بن چکے تھے۔ وہ اچھے اخلاق سے آراستہ اور عقیدۂ اسلام پر کاربند ہو چکے تھے

رسول اللہ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کے موقع پر

اسلام قبول کرنے کے بعد سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں نئی لہر آ گئی تھی۔ دن بہت ہنسی خوشی سے گزر رہے تھے۔ جابر رضی اللہ عنہ صبح کے وقت کھیتوں میں جاتے اور شام کو لوٹ آتے۔ اپنے دوستوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے، باتیں کرتے اور کھیلتے کودتے تھے۔ اس دوران رسول اللہ ﷺ کی مدینہ منورہ آمد کا انتظار ہو رہا تھا۔ آپ ﷺ کے استقبال کے لیے پورا مدینہ تیار تھا۔ مرد، عورتیں، بوڑھے، جوان اور بچے بہت شدت سے آپ ﷺ کی آمد کے منتظر تھے، یہاں تک کہ وہ مبارک اور روشن دن آ پہنچا جس میں سرزمین یثرب نے رسول اللہ ﷺ کی قدم بوسی کی۔

رسول اکرم ﷺ کی مدینہ تشریف آوری سے آپ کے جان نثاروں کی زندگی ایک نئے دور میں داخل ہوگئی۔ مسلمانوں نے مقصد زندگی پا لیا تھا۔ انھیں پتہ چل گیا تھا کہ زندگی کے سفر کا دورانیہ بہت تھوڑا ہے۔ اس فانی زندگی کے بعد ابدی حیات ہے جو کبھی ختم نہ ہوگی۔ انھوں نے یقین کر لیا تھا کہ اللہ سبحانہ نے انھیں اہم مقصد کے لیے پیدا کیا ہے اور وہ مقصد اللہ کی بندگی ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝﴾

''اور میں نے جن اور انسان اسی لیے تو پیدا کیے ہیں کہ وہ میری ہی عبادت کریں۔''[1]

نیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کے لیے زمین، آسمان، سورج اور چاند کو مسخر کر دیا ہے۔

[1] الذّٰریٰت 56:51.

﴿ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ○ ﴾

''سب اپنے اپنے مدار میں تیرتے پھرتے ہیں۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے انھیں ظاہری و باطنی بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔

﴿ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ﴾

''اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گننا چاہو تو انھیں گن نہ سکو۔''[2]

جابر رضی اللہ عنہ یہ سب خوبصورت آیات صبح و شام سنتے رہتے تھے اور ان کے معانی و مفاہیم کو ذہن نشین کرتے رہتے تھے۔

جہاد کی تیاری

ایک دن جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کو دیکھا کہ وہ اپنی تلوار تیز کر رہے ہیں اور کسی مہم پر جانے کے لیے سواری تیار کر رہے ہیں۔ وہ اپنے والد کے قریب آئے اور اس تیاری کے بارے میں پوچھا۔ والد نے بتایا کہ مکہ کے کافر اپنے سواروں اور پیادوں کا لشکر لیے آ رہے ہیں۔ وہ ہم سے لڑنے آ رہے ہیں۔ وہ ہماری دعوت، دعوت توحید کی جڑ کاٹ دینا چاہتے ہیں۔ جابر رضی اللہ عنہ کا خون جوش میں آ گیا۔ وہ اپنے والد سے کہنے لگے: ابوجان! میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گا۔ باپ نے کہا: بیٹا! یہ میرے اختیار میں نہیں بلکہ اس کے بارے میں لشکر کے قائد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم حرفِ آخر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تمھیں ساتھ لے جانے یا واپس لوٹا دینے کا اختیار رکھتے ہیں تاآنکہ تم قوی اور جوان ہو جاؤ، تمھارے دست و بازو تلوار چلانے کے قابل ہو جائیں اور تم دشمن کا مقابلہ کر سکو۔

[1] الأنبياء 21:33. [2] النحل 16:18.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی غزوۂ بدر میں شرکت

بعض تاریخی روایات سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے جبکہ بعض دیگر اس کی نفی کرتی ہیں۔ جابر رضی اللہ عنہ اگر غزوۂ بدر میں شریک نہ بھی ہوئے ہوں تو بلاشبہ وہ مسلمانوں کی کامیابی کی خوشی میں ضرور شریک تھے، پھر انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر دوسرے معرکوں میں شرکت کی تمنا ضرور کی ہوگی جہاں انھیں اللہ اور اس کے دین کے دشمنوں کو سبق سکھانے کا موقع ملے گا۔

غزوۂ احد

بدر کے تقریباً ایک سال بعد اُحد کا معرکہ پیش آ گیا۔ جابر رضی اللہ عنہ کے والد عبداللہ اپنے بیٹے سے باتیں کرتے ہوئے کہنے لگے: بیٹا! میری تمنا ہے کہ کل دشمن سے مقابلے میں سب سے پہلا شہید میں بنوں، لہٰذا میں تجھے تیری بہنوں کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ ان کی اچھے طریقے سے دیکھ بھال کرنا۔ جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور عرض کی: اللہ کے رسول! میرے ابو نے مجھے میری سات بہنوں کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے اور کہا ہے: بیٹے! ہمیں ان عورتوں کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہیے۔ میں تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے لیے بھیج کر خود پیچھے نہیں رہنا چاہتا، البتہ تم اپنی بہنوں کی دیکھ بھال کے لیے جنگ سے پیچھے رہ لو۔ [1]

جابر رضی اللہ عنہ کے والد عبداللہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد کو جنگ میں شرکت کی

[1] المستدرك للحاكم: 3/224، حديث: 4912.

اجازت دے دی۔ وہ آپ ﷺ کے ساتھ میدانِ احد کی طرف چلے گئے۔ جب معرکہ بپا ہوا اور کافروں نے مسلمانوں پر چڑھائی کی تو سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: احد کے دن میرے ابو شہید ہوگئے تو میں ان کے چہرے سے کپڑا اٹھا کر رو رہا تھا۔ صحابہ کرام مجھے رونے سے منع کر رہے تھے جبکہ نبی کریم ﷺ نے مجھے نہیں روکا۔ میری پھوپھی فاطمہ بنت عمرو بھی اپنے بھائی کی میت پر رونے لگیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«تَبْكِينَ أَوْلَا تَبْكِينَ، فَمَا زَالَتِ الْمَلَائِكَةُ تُظِلُّهُ بِأَجْنِحَتِهَا حَتَّى رَفَعْتُمُوهُ»

''تو اس پر رویا نہ رو (کوئی فرق نہیں پڑتا) اسے تو فرشتوں نے اپنے پروں سے سایہ کیا ہوا تھا یہاں تک کہ تم نے اسے اٹھالیا۔''[1]

جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: جب رسول اللہ ﷺ شہدائے اُحد کو دفنانے کے لیے تشریف لائے تو فرمایا:

«زَمِّلُوهُمْ بِجِرَاحِهِمْ، فَإِنِّي أَنَا الشَّهِيدُ عَلَيْهِمْ، مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُكْلَمُ فِي سَبِيلِ اللهِ إِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَسِيلُ دَمًا، اللَّوْنُ لَوْنُ الزَّعْفَرَانِ وَالرِّيحُ رِيحُ الْمِسْكِ»

''ان شہداء کو ان کے خون اور زخموں سمیت ڈھانپ دو (اور دفن کردو) بے شک میں ان کی گواہی دوں گا۔ جس کسی مسلمان کو اللہ کے راستے میں زخم لگا

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 1244.

ہے تو قیامت کے دن جب وہ آئے گا تو اس کے زخموں سے خون بہہ رہا ہوگا۔
اس خون کا رنگ زعفران جیسا ہوگا اور خوشبو کستوری کی خوشبو جیسی ہوگی۔'' [1]

میرے ابو کو ایک ہی دھاری دار چادر میں کفن دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ پوچھتے تھے: ''ان شہداء میں سے قرآن کسے زیادہ یاد تھا؟'' جب کسی شخص کی طرف اشارہ کیا جاتا تو اس کے بارے میں فرماتے: ''اسے اس کے ساتھی سے پہلے لحد میں اتارو۔'' [2]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے: ''سیدنا عبداللہ بن عمرو بن حرام احد کے دن سب سے پہلے شہید ہیں۔ انھیں سفیان بن عبد شمس سلمی نے شہید کیا تھا۔ ظاہری شکست سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور فرمایا:

«اِدْفِنُوا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو، وَ عَمْرَو بْنَ الْجَمُوحِ فِي قَبْرٍ وَاحِدٍ لِمَا كَانَ بَيْنَهُمَا مِنَ الصَّفَاءِ»

''عبداللہ بن عمرو اور عمرو بن جموح رضی اللہ عنہما کو ایک ہی قبر میں دفن کرو کیونکہ دونوں میں سچا پیار تھا۔'' [3]

ایک حدیث کے الفاظ ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِدْفِنُوا هٰذَيْنِ الْمُتَحَابَّيْنِ فِي قَبْرٍ وَاحِدٍ»

''ان دو پیار کرنے والوں کو ایک ہی قبر میں دفناؤ۔'' [4]

چنانچہ انھیں ایک قبر میں اکٹھے دفن کیا گیا تھا۔

ان دونوں کی قبر احد پہاڑ کے دامن میں ایک برساتی نالے کے پاس تھی۔ ایک

---

[1] الطبقات لابن سعد: 3/562. [2] صحيح البخاري، حديث: 1343، و سنن أبي داود، حديث: 3138. [3] دلائل النبوة للبيهقي: 3/293، والمغازي للواقدي: 1/267. [4] المغازي للواقدي: 1/267.

مرتبہ سیلاب آیا تو ان کی قبر کھل گئی۔ دیکھا تو ان کا دھاری دار کفن ابھی تک صحیح سلامت تھا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ کو چہرے پر زخم آیا تھا جہاں انھوں نے ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ ان کا ہاتھ چہرے سے ہٹایا گیا تو خون پھوٹنے لگا، پھر ان کا ہاتھ اسی جگہ واپس رکھ دیا گیا تو خون رک گیا۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب میرے ابو کی قبر کھلی تو میں نے دیکھا، ایسے لگا کہ وہ سو رہے ہیں۔ ان کی حالت بالکل تروتازہ تھی۔ جابر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا: کیا تم نے اپنے ابو کا کفن دیکھا تھا؟ انھوں نے کہا: انھیں دھاری دار چادر میں کفنایا گیا تھا۔ ان کا چہرہ چادر سے ڈھانپ دیا گیا تھا جبکہ ان کے پاؤں پر ہرمل نامی بوٹی ڈال دی گئی۔ ہم نے دیکھا کہ ان کی چادر (کفن) جوں کی توں ہے۔

ہرمل بوٹی بھی ان کے پاؤں پر ویسی ہی تھی۔ یہ سیلاب انھیں دفنانے کے چالیس سال بعد آیا تھا۔ جابر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ میں اپنے ابو کو کستوری لگانا چاہتا ہوں تو صحابہ نے انھیں ایسا کرنے سے منع کر دیا۔

کیا اس امر میں کسی کو انکار ہے؟ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ نصف صدی تک ایک میت قبر کی مٹی میں پڑی رہے اور اسے مٹی نہ کھائے؟ ہاں! ایسا واقعہ ہو چکا ہے۔ کوئی مسلمان شخص جس کا دین کے ساتھ تعلق ہے اور وہ دین میں سمجھ بوجھ بھی رکھتا ہے، نیز وہ قرآن کریم کی تلاوت بھی کرتا ہے، اسے ذرا بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ ارشاد باری ہے:

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ يَسْتَبْشِرُوْنَ

بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○﴾

''ان لوگوں کو مردہ خیال نہ کرو جو اللہ کے راستے میں مارے گئے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں، انھیں ان کے رب کے ہاں رزق دیا جاتا ہے۔ جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انھیں دیا، اس پر وہ خوش ہیں اور ان (مومنوں) کے بارے میں بھی خوشی محسوس کرتے ہیں جو ابھی تک ان سے نہیں ملے اور ان کے پیچھے (دنیا میں) رہ گئے ہیں کہ انھیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ اللہ کی نعمت اور اس کا فضل عطا ہونے پر خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اور بے شک اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔''[1]

والد کی شہادت کے بعد جابر رضی اللہ عنہ انھیں اکثر یاد کرتے رہتے۔ انھیں دلی صدمہ ہوا تھا۔ ان کے دل میں باپ کی محبت کی وجہ سے ٹیسیں اٹھتی تھیں۔ ان کے ہونٹوں سے مسکراہٹ جاتی رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ کی جب یہ حالت دیکھی، جو کسی مسلمان کی نہیں ہونی چاہیے، تو فرمایا: ''اے جابر! میں تمھیں شکستہ دل اور چپ چپ دیکھ رہا ہوں، اس کی کیا وجہ ہے؟

جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! میرے ابو شہید ہو گئے ہیں۔ انھوں نے اپنے پیچھے سات بیٹیاں چھوڑی ہیں، علاوہ ازیں ان پر قرض بھی بہت تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں خوشخبری نہ سناؤں کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے والد سے کیسے انداز میں ملاقات کی ہے؟''

میں نے کہا: اللہ کے رسول! ضرور بتایئے!

[1] آل عمرٰن 3:169-171.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے تمھارے والد کو زندہ کیا اور ان سے آمنے سامنے گفتگو کی۔ اللہ تعالیٰ نے تمھارے ابو سے پوچھا: ''میرے بندے! تمنا کر، میں پوری کروں گا۔'' انھوں نے کہا: اے میرے رب! تو مجھے دنیا میں ایک بار اور بھیج دے، میں تیرے راستے میں دوبارہ شہید ہونا چاہتا ہوں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا: ''میرا یہ فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے کہ دنیا میں دوبارہ کسی کو نہیں بھیجا جائے گا۔'' [1]

تمھارے والد نے پھر کہا: اے میرے رب! پھر میرے پچھلوں کو میرا پیغام ہی پہنچا دیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیات نازل فرمائیں۔

اس دن سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ رہنے لگے۔ سفر و حضر میں وہ آپ ﷺ سے جدا نہیں ہوتے تھے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے نماز خوف کے متعلق ایک حدیث مروی ہے، فرماتے ہیں: ہم ایک غزوے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نجد (مدینہ سے مشرقی علاقہ، موجودہ الریاض شہر کے قرب و جوار) کی طرف گئے۔ واپسی پر دوپہر کو ایک وادی میں پہنچے جہاں ببول (کیکر) کے گھنے درخت تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہاں پڑاؤ ڈالا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم درختوں کی گھنی ٹھنڈی چھاؤں میں بکھر گئے۔ رسول اللہ ﷺ بھی ایک درخت کے ساتھ اپنی تلوار لٹکا کر استراحت فرمانے لگے۔

بنو محارب کا غورث نامی آدمی اپنی قوم غطفان اور محارب سے کہنے لگا: کیا میں تمھاری خاطر محمد (ﷺ) کو قتل نہ کر آؤں؟ لوگوں نے کہا: ضرور! مگر تو انھیں کیسے قتل کرے گا؟ وہ کہنے لگا: میں دھوکے سے اچانک انھیں قتل کر دوں گا۔

[1] مسند البزار: 165/18، ودلائل النبوۃ للبیہقی: 298/3.

پھر غورث چپکے چپکے آپ ﷺ کے پیچھے چلنے لگا۔ جب اس نے دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ تلوار لٹکا کر آرام کر رہے ہیں تو اس نے آپ ﷺ ہی کی تلوار پکڑ کر سونت لی، پھر رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگا: کیا آپ مجھ سے ڈرتے ہیں؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں!''

وہ کہنے لگا: آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرا اللہ تجھ سے میری حفاظت کرے گا۔''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اتنے میں صحابہ کرام بھی پہنچ گئے اور انھوں نے اس محاربی آدمی کو خوب ڈانٹ پلائی، پھر اس نے تلوار نیام میں ڈال کر دوبارہ لٹکا دی۔

پھر جب نماز کا وقت ہوا اور اذان کہی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کی ایک جماعت کو دو رکعتیں پڑھائیں، وہ لوگ پیچھے ہٹ گئے تو دوسرے گروہ کو بھی دو رکعتیں پڑھائیں۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کی چار رکعتیں ہوگئیں، جبکہ صحابہ نے دو دو رکعتیں پڑھیں۔[1]

یہ واقعہ غزوۂ ذات الرقاع چار ہجری میں پیش آیا تھا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اسی غزوے میں میرے پاس ایک کمزور سا اونٹ تھا۔ میرے ساتھی تو چلتے جا رہے تھے جبکہ میں اونٹ کی وجہ سے پیچھے رہ گیا تھا۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ پیچھے سے آ کر مجھے ملے اور فرمایا: ''جابر! کیا بات ہے؟'' میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میرے اس اونٹ نے مجھے بہت لیٹ کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے بٹھاؤ۔'' میں نے اپنا اونٹ بٹھایا تو رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنا اونٹ

[1] صحیح مسلم، حدیث: 843.

بٹھادیا اور نیچے اتر آئے، پھر فرمایا: ''تمھارے ہاتھ میں جو چھڑی ہے، ذرا یہ مجھے دکھانا'' یا فرمایا: ''کسی درخت سے ایک چھڑی اتار کر لاؤ۔'' میں چھڑی لایا تو رسول اللہ ﷺ نے پانچ مرتبہ اونٹ کو چھوئی، پھر فرمایا: ''اب اس پر سوار ہو جاؤ۔'' میں سوار ہوا تو اللہ کی قسم! یہ اونٹ اللہ کے رسول ﷺ کی اونٹنی سے بھی آگے گزرنے کی کوشش کرنے لگا۔

میں راستے میں رسول اللہ ﷺ سے باتیں کرنے لگا۔ باتوں باتوں میں رسول اکرم ﷺ نے پوچھا: ''جابر! کیا اپنا یہ اونٹ میرے ہاتھ بیچنا پسند کرو گے؟'' میں نے کہا: اللہ کے رسول! بلکہ آپ یہ اونٹ بطور ہدیہ لے لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں! میرے ہاتھ فروخت کرو۔''

میں نے کہا: اللہ کے رسول! اس کی قیمت پھر آپ ہی لگائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اسے ایک درہم کا خریدتا ہوں۔'' میں نے کہا: نہیں، اللہ کے رسول! آپ مجھے غنی کریں، یعنی قیمت بڑھائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر دو درہم کا خریدتا ہوں۔'' میں نے کہا: نہیں۔

جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ اس کی قیمت بڑھاتے رہے یہاں تک کہ ایک اوقیہ (چالیس درہم) تک پہنچ گئے۔ اب میں نے پوچھا: اللہ کے رسول! کیا آپ راضی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! میں اس قیمت پر راضی ہوں۔'' میں نے کہا: اب یہ آپ کا ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے، میں نے لے لیا۔ پھر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''اے جابر! کیا تو نے شادی کر لی ہے؟'' میں نے عرض کی: جی ہاں، اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا تمھاری اہلیہ کی پہلے بھی شادی

ہوئی تھی یا وہ کنواری ہی تھی؟" میں نے عرض کی: اس کی اس سے پہلے شادی ہو چکی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "کنواری لڑکی سے شادی کیوں نہیں کی؟ تو اس کے ساتھ کھیلتا، وہ تیرے ساتھ کھیلتی!" میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میرے ابو احد کے دن شہید ہو گئے تھے اور ان کی سات بیٹیاں تھیں، اس بنا پر میں نے ایسی عورت سے شادی کی ہے جو ان کی کنگھی پٹی کر سکے اور انھیں سنبھال سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ نے چاہا تو، تو نے اچھا کیا ہے۔ جب ہم صرار نامی جگہ پہنچیں گے تو وہاں ایک اونٹ نحر کریں گے اور وہاں ایک دن قیام کریں گے۔ ہماری عورتیں بھی ہمارے متعلق سن لیں گی اور وہ بستر وغیرہ ٹھیک کر لیں گی۔" میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! ہمارے پاس اچھے بستر نہیں۔ آپ نے فرمایا: "عنقریب تمھارے پاس عمدہ بستر ہوں گے، جب تم گھر جاؤ تو سمجھ داری سے کام لینا (یعنی رات کے وقت بغیر اطلاع کیے مت جانا)۔"

جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر جب ہم صرار نامی جگہ پر پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا اور ایک اونٹ نحر کر دیا گیا۔

اُس دن ہم اسی کو بناتے اور کھاتے رہے۔ جب شام ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے تو ہم بھی آپ کے ساتھ مدینہ میں داخل ہو گئے۔ جب میں گھر آیا تو اپنی بیوی سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گزرے لمحات و واقعات بیان کیے۔ اہلیہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کریں، یعنی آپ ﷺ نے جو فرمایا ہے اس کی تعمیل ہونی چاہیے اور ہمارے گھر میں اچھے بستر وغیرہ آنے چاہئیں۔ [1]

[1] البداية والنهاية: 4/100,99، ودلائل النبوة للبيهقي: 3/379-382.

جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”صبح ہوئی تو میں اونٹ لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اونٹ مسجد کے دروازے پر باندھ دیا اور خود مسجد میں رسول اللہ ﷺ کے قریب ہوکر بیٹھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ مسجد سے باہر تشریف لائے اور دروازے پر اونٹ بندھا دیکھا تو فرمایا: ”یہ اونٹ کس کا ہے؟“ صحابہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! یہ جابر کا اونٹ ہے۔ صحابہ کرام مجھے بلاکر آپ ﷺ کے پاس لے گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بھتیجے! اونٹ کی نکیل پکڑ، یہ تیرا ہی ہے۔“ پھر آپ نے بلال رضی اللہ عنہ کو بلاکر فرمایا: ”جابر کو ساتھ لے جاؤ اور اسے ایک اوقیہ چاندی دے دو۔“ میں بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ گیا۔ انھوں نے مجھے میری مطلوبہ رقم دے دی اور کچھ زیادہ دی۔ اللہ کی قسم! وہ تھوڑی سی اضافی رقم بڑی مدت میرے پاس رہی اور اس میں برکت ہوتی رہی۔ ہمارے گھر میں اس کی بڑی تکریم ہوتی تھی یہاں تک کہ حرہ کے دن وہ مجھ سے ضائع ہوگئی۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کا اپنے ساتھیوں کی خبر گیری کرنا

معزز قارئین! یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کی کس قدر خبر گیری کرتے تھے۔ آپ ﷺ ان کی ہر خوشی اور شادمانی میں ان کے ساتھ ہوتے تھے۔ آپ ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ سے قافلے سے پیچھے رہ جانے کا سبب دریافت فرمایا۔ اور جابر رضی اللہ عنہ کے کمزور مالی حالات ہی کی بنا پر ان کا اونٹ خریدنے کے لیے بھاؤ تاؤ کیا۔ بعد میں اونٹ کی قیمت بھی دے دی اور اونٹ بھی ان کے حوالے کر دیا۔ یہاں ایک قائد اور اس کے پیروکار، ایک رسول اور اس کے صحابی کے درمیان ایسی بیع اور

[1] البداية والنهاية: 4/100.

تبادلے کا تذکرہ ہے جس سے خالص بھائی چارے کا درس ملتا ہے اور ایمان کی روح گہرائی تک باغ باغ ہو جاتی ہے۔

ایک قائد اور اس کے متبع کی ایسی ہی عالی ظرفی اور اسی طرح کے بھائی چارے کی بدولت ایمانی معاشرہ قائم ہوتا اور نیکی کا ماحول پیدا ہوتا ہے۔ انسانی تاریخ میں ایسے عمدہ معاشرے کی مثال نہیں ملتی۔

نبی کریم ﷺ کی خوبصورت تربیت سے ایسا بہترین معاشرہ قائم ہوا کہ ضرورت پڑنے پر ایک جان نثار اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتا ہے۔ جب اس سے پوچھا جاتا ہے: اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کے لیے کیا چھوڑ کر آئے ہو تو جواب ملتا ہے، ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی محبت چھوڑ آیا ہوں۔

ایک اور فدا کار ایک لشکر کو، جو اللہ کے نام پر دین کی اشاعت کی خاطر جا رہا ہے، الوداع کرنے نکلتا ہے تو اہل لشکر سے کہتا ہے: اللہ کے نام کی برکت سے چلتے جاؤ، میں تمھاری واپسی تک تمھارے بال بچوں کی عیال داری اور گھروں کی دیکھ بھال کروں گا۔

ایک تیسرا جانباز صحابی جس کے والد کے سر پر مدینہ کی سرداری کا تاج رکھا جانے والا تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ مدینہ تشریف لے آئے اور اس کی تاج پوشی کا پروگرام دھرے کا دھرا رہ گیا۔ یہ صحابی رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کی توہین پر اپنے سگے باپ کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا کہ جب تک اللہ اور اس کے رسول ﷺ اجازت نہ دیں تو مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کے بڑے روشن اور اجلے کردار تاریخ میں محفوظ ہیں۔ اس منفرد و ممتاز معاشرے میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا بھی کوئی اہم کارنامہ

یقیناً ہوگا! جی ہاں، تاریخ کے سنہرے اوراق نے ان کے اس منفرد کارنامے کو محفوظ کر رکھا ہے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ قریش آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی کے لیے ایک بڑا لشکر لے کر آرہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی حفاظت کے لیے شہر کے گرد خندق کھودنے کا حکم دیا۔ اس مبارک کام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی شریک ہوئے تاکہ مسلمان بھی حصول اجر کے لیے خوشی خوشی شرکت کریں۔ دورانِ کھدائی ایک بڑا سا پتھر آڑے آگیا جو ٹوٹنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا ذکر کیا تو آپ نے ایک برتن میں پانی منگوایا۔ اس میں اپنا لعاب مبارک ڈالا، دعا کی اور وہ پانی پتھر پر چھڑک دیا۔ وہاں پر موجود لوگوں کا کہنا ہے: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر مبعوث فرمایا! وہ پتھر ریت کے مانند ریزہ ریزہ ہوگیا۔

خندق کی کھدائی کے ایام ہی تھے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھوک کے آثار دیکھے تو میں گھر چلا آیا۔ گھر میں میرے پاس بکری کا ایک بچہ تھا۔ میں نے سوچا اسے ذبح کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا تیار کر دیتے ہیں۔ میں نے اپنی اہلیہ سے کہا تو اس نے گھر میں پڑے تھوڑے سے جَو پیس دیے اور اس کی روٹیاں پکا دیں۔ میں نے بکری ذبح کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا تیار کر دیا۔

شام کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کی کھدائی کے کام سے فارغ ہو کر گھر جانے لگے تو میں نے آہستہ سے کہا: ''اللہ کے رسول! میں نے ایک چھوٹی سی بکری اور تھوڑے سے جو کے ساتھ آپ کے لیے کھانا تیار کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ میرے گھر چلیں۔ جابر رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے ہی

میرے ساتھ چلیں۔ مگر یہ کیا ہو گیا! آپ ﷺ نے میری دعوت قبول فرما کر عام صحابہ میں منادی کرادی کہ آج رات کا کھانا رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جابر رضی اللہ عنہ کے گھر پر ہے۔ یہ سن کر (تھوڑے انتظام کی وجہ سے) میں نے دل میں اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ کہا۔

شام کو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو تمام اہل خندق بھی آپ کے ساتھ ہی آ گئے۔ جب آپ ﷺ تشریف فرما ہوئے اور ہم نے کھانا آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے برکت کی دعا کی اور اللہ کا نام لے کر کھانا تقسیم کرنا شروع کیا۔ صحابہ تھوڑے تھوڑے کر کے آتے رہے اور کھانا کھاتے رہے یہاں تک کہ تمام اہل خندق کھانا کھا کر فارغ ہو گئے۔[1]

یہاں رسول اللہ ﷺ کا ایک خاص وصف ظاہر ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ اکیلے اور الگ بیٹھ کر نہیں کھاتے تھے اور نہ صحابہ کے مقابلے میں اپنے آپ کو ترجیح دیتے تھے۔ آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مثال قرآن نے بہت خوبصورت پیرائے میں بیان کی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ؗ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ﴾

"محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں، وہ کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں نہایت مہربان ہیں، آپ انھیں رکوع و سجود کرتے دیکھیں گے، وہ اللہ کا فضل اور (اس کی) رضامندی تلاش کرتے ہیں، ان کی

[1] مسند أحمد: 3/377، والبداية والنهاية: 4/113، وتاريخ الإسلام للذهبي: 2/285.

خصوصی پہچان ان کے چہروں پر سجدوں کا نشان ہے۔‘‘ [1]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سفر و حضر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رفیق اعلیٰ سے جا ملے، پھر خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی وفات پا گئے، پھر امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی شہید کر دیے گئے۔ جابر رضی اللہ عنہ ان سب کے ساتھ جنگ اور صلح میں بہترین ساتھی اور مددگار رہے۔ اللہ نے انھیں لمبی زندگی عطا فرمائی۔ یہ اپنی زندگی میں اپنے پیاروں اور محبوب دوستوں کو ایک ایک کر کے الوداع کرتے رہے۔ آخر میں جب خود عمر رسیدہ ہو گئے تو گھر میں بیٹھے کتاب اللہ کی تلاوت کرتے رہتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث یاد کرتے رہتے، نیز مسلمانوں کی جماعت کو سنت رسول کی تعلیم سے آراستہ کرتے رہتے۔ یہاں تک کہ وقت مقرر آ گیا تاکہ آپ رضی اللہ عنہ بھی جنتِ عدن میں قدرت والے بادشاہ کے پاس اپنے معزز و مکرم دوستوں سے ملاقات کریں۔

اللہ تعالیٰ ان پر اسی قدر اپنی وسیع رحمتیں کرے جس قدر انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی کی ہے۔ آمین!

[1] الفتح 29:48.

آیت کی شانِ نزول

علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: میں بیمار ہوگیا تھا۔ میری نو یا سات بہنیں تھیں۔ میرے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، مجھے دم کیا تو میں ہوش میں آگیا۔ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! کیا میں اپنی بہنوں کے لیے ایک ثلث، یعنی ایک تہائی مال کی وصیت نہ کر جاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مال کی مقدار کچھ زیادہ کرو۔“ میں نے عرض کی: نصف مال؟ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ”کچھ اور زیادہ کرو۔“

پھر آپ ﷺ باہر چلے گئے اور مجھے یونہی چھوڑ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد تشریف لائے اور فرمایا: ”جابر! میں نہیں خیال کرتا کہ اس بیماری میں تمھاری موت واقع ہوجائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے تمھاری بہنوں کے معاملے میں قرآن نازل کردیا ہے اور ان کا دوتہائی (2/3) حصہ مقرر کیا ہے۔“ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں درج ذیل آیت میرے ہی بارے میں اتری تھی:

﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ۚ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَا إِن لَّمْ يَكُن لَّهَا وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَتَا

اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ ۚ وَإِن كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۗ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَن تَضِلُّوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ○

''(اے نبی!) لوگ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں ، کہہ دیجیے: اللہ ''کلالہ'' کے بارے میں حکم دیتا ہے، اگر کوئی شخص مرجائے جس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کے لیے بھائی کے چھوڑے ہوئے مال کا آدھا حصہ ہے۔ اور اگر بہن (فوت ہوجائے اوراس) کی اولاد نہ ہو، تو اس کا بھائی اس کا وارث ہوگا، پھر اگر بہنیں دو (یا دو سے زیادہ) ہوں تو ان کے لیے بھائی کے چھوڑے ہوئے مال کا دو تہائی ہے۔ اور اگر کئی بھائی بہن ، مرد اور عورتیں (وارث) ہوں تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہوگا، اللہ تمھارے لیے وضاحت سے بیان کرتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہوجاؤ، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔''[1]

اسی طرح ابن جریر رحمہ اللہ کی جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ایک اور روایت میں ہے کہ میں ایک مرتبہ بیمار ہوگیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ میری تیمارداری کے لیے تشریف لائے۔ میں بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرکے، وضو کا (مستعمل) پانی مجھ پر چھڑکا جس سے میں ہوش میں آ گیا۔ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں اپنا مال کیسے تقسیم کروں یا کہا: میں اپنے مال میں کیسا تصرف کرسکتا ہوں؟ میری نو بہنیں ہیں۔ اس وقت جابر رضی اللہ عنہ کے والدین تھے نہ اولاد تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر خاموش رہے مجھے کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ آیتِ میراث:

[1] النسآء 176:4. تفسیر الطبري: 714/7.

﴿ يَسْتَفْتُوْنَكَ ... ﴾ (النسآء 176:4) نازل ہوگئی۔[1]

ابن منکدر رحمہ اللہ کا بیان ہے، سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مذکورہ بالا آیت میرے ہی بارے میں اتری ہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا کہنا ہے کہ قرآن کی یہ آیت سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے۔

شیخ علاء الدین المعروف شیخ خازن کہتے ہیں کہ آیت: ﴿ يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ... ﴾ (النسآء 176:4) سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں بیمار ہوگیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پیدل چل کر میری تیمارداری کے لیے تشریف لائے۔ جب آپ آئے تو میں بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کر کے اس کا پانی مجھ پر ڈالا تو میں ہوش میں آ گیا۔ دیکھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ میں نے موقع غنیمت جانتے ہوئے سوال کیا: اللہ کے رسول! میں اپنے مال میں کس طرح تصرف کروں؟ یعنی اپنا مال کس طرح تقسیم کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کوئی جواب نہ دیا حتی کہ وراثت کی آیت نازل ہوگئی۔[2]

ایک روایت کے الفاظ ہیں: (جابر رضی اللہ عنہ نے کہا:) میں کلالہ ہوں، تب وراثت کی آیت نازل ہوئی۔ امام شعبہ کہتے ہیں: میں نے محمد بن منکدر سے پوچھا: کیا آیت اسی طرح ہے؟

﴿ يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ... ﴾

---

[1] صحیح البخاري، حدیث: 5651، وجامع الترمذي، حدیث: 2097. [2] صحیح البخاري، حدیث: 5651.

تو انھوں نے جواب دیا: ہاں! اسی طرح نازل ہوئی ہے۔

ترمذی کی روایت میں نو بہنوں کا ذکر ہے۔[1]

ابوداود میں ہے: جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں بیمار ہوگیا اور میری سات بہنیں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے اور آپ نے میرے چہرے پر پھونک ماری تو میں ہوش میں آگیا۔ میں نے کہا: اللہ کے رسول! کیا میں اپنی بہنوں کے لیے ایک تہائی مال کی وصیت نہ کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مال کی مقدار اس سے زیادہ کر۔'' میں نے کہا: آدھے مال کی وصیت کردوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اور زیادہ کر۔'' پھر مجھے چھوڑ کر باہر تشریف لے گئے۔ واپس آئے تو فرمایا: ''میں نہیں خیال کرتا کہ تو اس بیماری میں فوت ہوجائے گا۔ اللہ نے قرآن نازل کردیا ہے اور تیری بہنوں کا حصہ بیان کردیا ہے۔ ان کے لیے دو تہائی مال کا حصہ مقرر کیا ہے۔[2]

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: آیت:

﴿ يَسْتَفْتُونَكَ ... ﴾ میرے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے۔[3]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام احمد نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، میں بیماری کی وجہ سے بے ہوش تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، پھر پانی مجھ پر ڈالا یا آپ نے فرمایا: وضو کا یہ پانی اس پر ڈالو، تب میں ہوش میں آگیا۔ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں 'کلالہ' ہوں، لہٰذا وراثت کیسے تقسیم کی جائے گی؟ اللہ تعالیٰ نے فرائض (وراثت) کی آیت نازل فرمادی۔ اس روایت کو بخاری و مسلم نے صحیحین میں امام شعبہ کے حوالے

---

[1] جامع الترمذي، حديث:2097. [2] سنن أبي داود، حديث:2887. [3] تفسير الخازن:1/454.

سے درج کیا ہے۔[1] دیگر کئی محدثین نے یہ واقعہ سفیان بن عیینہ عن محمد بن منکدر عن جابر کی سند سے روایت کیا ہے۔ ان میں سے بعض محدثین کی روایات میں لفظ ''فرائض'' کے بجائے لفظ ''میراث'' (وراثت) ہے، یعنی آیت میراث اتری۔[2]

﴿ يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ... ﴾ (النساء 176:4)



[1] صحیح البخاري، حدیث: 194، وصحیح مسلم، حدیث: 1616. [2] تفسیر ابن کثیر: 788/1.

فوائد و اسباق

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کے حالات میں ایک قابل ذکر امر ایسا ہے جس سے ہر انسان حیران رہ جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی بیماری کی وجہ سے بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ انھیں جیسے ہی افاقہ ہوتا ہے، سب سے پہلی شے جس کی انھیں فکر لاحق ہوتی ہے، وہ ان کا مال ہے جو ان کی ملکیت ہے لیکن وہ سمجھتے ہیں کہ عنقریب یہ وارثوں میں تقسیم ہو جائے گا، اس لیے جلدی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے ہیں کہ مجھے اس کی تقسیم کا طریقہ بتا دیں تاکہ میں اس فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔

درحقیقت وہ مال جو انسان پوری زندگی مختلف طریقوں سے جمع کرتا ہے، جس میں اس نے حقوق اللہ اور حقوق العباد کا لحاظ بھی رکھا ہوتا ہے اور نہیں بھی، زندگی کی آخری گھڑیوں میں بہت بھاری بوجھ بن جاتا ہے، جس سے خلاصی ممکن نظر نہیں آتی، اس لیے کہ یہ مال زندگی میں انسان کو خواہشات کے محل تعمیر کرنے پر اکساتا رہتا ہے۔

حدیث میں آیا ہے:

«اَلدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ»

''یہ دنیا بڑی میٹھی اور سرسبز و خوشنما ہے۔''[1]

---

[1] جامع الترمذي، حديث:2191، ومسند أحمد:364/6.

اسی وجہ سے انسان اس میں مگن رہتا ہے یہاں تک کہ جب جان، حلقوم (ہنسلی) کو آپہنچتی ہے تب اسے یاد آتا ہے کہ وہ اس خزانے اور جائداد کو اپنے ساتھ آخرت کے گھر میں منتقل نہیں کرسکتا۔ عنقریب لہلہاتے باغ اور مہکتے باغیچے پیچھے رہ جاتے ہیں، اونچی اونچی عمارتیں، وسیع وعریض بنگلے، زرو جواہر یہیں چھوڑ جاتے ہیں بلکہ دنیا کی ہر شے دنیا ہی میں رہ جاتی ہے۔

انسان اپنے ساتھ کچھ بھی نہیں لے جاسکتا۔ اس صورت میں یہ دنیا حسرت، ندامت، پشیمانی اور تنگی ہی تنگی ہے جو اس سے برداشت نہیں ہوسکتی۔ جبکہ انسان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اس کے وارث اس کے آس پاس بیٹھے اس کی روح کے جلد پرواز کر جانے کے منتظر ہوتے ہیں۔ مرنے والا سوچ رہا ہوتا ہے کہ کیا اس کے ورثاء اس کی موت کے بعد اس کی کمائی ہوئی دولت و ثروت کی نگرانی کرسکیں گے؟ کیا وہ اس مال میں اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق ادا کرسکیں گے؟

یہ سوچ تو اس آدمی کی ہے جو نیک ہے۔ اگر مرنے والا نیکی سے ہٹ کر دوسری راہ پر چلنے والا ہے تو شیطان اس کے ذہن میں خیال ڈالے گا کہ دوسروں کا مال جو تو نے ان سے چھینا یا ظلم کرکے لیا یا کسی بھی حیلے سے ہتھیایا، یہ تو پھر اسی راستے ان کے پاس واپس چلا جائے گا، یعنی جیسے آیا تھا ویسے ہی اڑ جائے گا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ آخرت میں یہ مال دہکتی آگ میں لے جانے کا سبب بن جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ﴾

”بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا، ہم جلد انھیں آگ میں

ڈالیں گے۔ جب ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم ان کی جگہ دوسری کھالیں چڑھا دیں گے تاکہ وہ عذاب چکھیں۔''[1]

صرف یہی نہیں، وہی شیطان جو پہلے دوسروں کا مال چھیننے اور لوٹنے پر ابھارتا تھا، اب اسے حسرت اور ندامت کے وسوسے میں ڈالے گا کہ کیا وارثوں کے پاس مال کی حفاظت اور اس میں اضافے کی اتنی قدرت و طاقت ہے جو اس کے پاس تھی؟ کیا یہ لوگ مال دار بن کر عیش و مستی میں سارا مال اڑائیں گے؟

اب اس بات پر غور کریں کہ کیا یہ مال اس کے بچوں اور اولاد کے لیے، جو رشتہ داروں میں سے اس کے زیادہ قریبی ہیں، ان کے لیے نیک بختی اور خوش بختی کا باعث ہوگا یا بدبختی کا؟ اور کیا یہ مال انھیں صراطِ مستقیم سے ہٹا کر شیطان کے راستے پر تو نہیں چلائے گا؟

دوسروں کا ناحق مال کھانے کو قرآن کریم نے (اَکْلٌ) ''کھانے'' سے تعبیر کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

''اور تم اپنے مال آپس میں ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ اور انھیں حاکموں کے پاس نہ لے جاؤ تاکہ تم لوگوں کے مالوں میں سے کچھ مال گناہ کے ساتھ کھاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو۔''[2]

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

[1] النسآء 56:4. [2] البقرة 188:2.

﴿ وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ۝ ﴾

''اور لوگوں کو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ مرتے وقت اپنے پیچھے بے بس اولاد چھوڑ جائیں تو انھیں ان کے بارے میں کتنی فکر ہوگی، چنانچہ انھیں اللہ سے ڈرنا چاہیے اور سیدھی بات کہنی چاہیے۔ بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ظلم کے ساتھ کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اور وہ جلد دہکتی آگ میں داخل ہوں گے۔''[1]

قرآن نے دوسروں کا مال کھانے کو ﴿أَكْلٌ﴾ ''کھانے'' سے کیوں تعبیر کیا ہے؟ اس لیے کہ مال کی بھی اسی طرح اشتہا ہوتی ہے جس طرح کھانے پینے کی اشتہا ہوتی ہے۔ انسان کتنی ہی اقسام کے کھانوں کی تمنا رکھتا ہے، نیز کتنے ہی پھل اور گوشت وغیرہ اپنے پیٹ میں انڈیل لیتا ہے؟ پھر کیا بنتا ہے؟ ان عمدہ اور لذیذ کھانوں کا کیا انجام ہوتا ہے؟

اس سے یقیناً متعفن شے ہی بنتی ہے جس سے انسان کراہت کرتا اور دور بھاگتا ہے۔ اسی طرح ایک انسان غیر کے مال پر قبضہ کرکے اسے گندی اور بدبودار شے ہی میں تبدیل کرتا ہے۔ کوئی بھی سلیم الفطرت انسان اس کو برداشت نہیں کرسکتا اور کوئی عقل مند اسے قبول نہیں کرسکتا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ جب معاملہ ایسے ہی ہے تو پھر انسان دوسروں کا مال ہتھیانے کی کیونکر جرأت کرتا ہے؟

[1] النسآء 4:9، 10.

اس کا جواب ہم دیتے ہیں کہ جب انسان دوسروں پر ظلم کا سوچتا ہے تو اس کے جسم میں بھلائی کے متعلق سوچنے والے اعضاء ناکارہ ہو جاتے اور اس احساس سے انسانیت کے عوامل مرجاتے ہیں۔ اب یہ اچھے برے کی تمیز نہیں کرسکتا، بدبو اور خوشبو کے درمیان فرق نہیں کرسکتا، اسی طرح اس کے نزدیک حلال وحرام کے درمیان فرق بھی مٹ جاتا ہے اور وہ اپنی گمراہی میں سرپٹ دوڑتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی روح نکل جاتی ہے۔ اب یہ قیامت کے دن حساب کتاب کے لیے کھڑا ہوگا۔

قارئین! غور فرمائیں، یہ مال، یعنی جو دوسروں سے غصب کیا ہے اور ان کے حقوق دبا کر حاصل کیا ہے، اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ کیا جس انسان نے سرکشی اور تکبر کیا، یہ مال اسے چھوڑ دے گا؟ کیا ایسا انسان اللہ تعالیٰ کی سزا اور پکڑ سے بچ جائے گا؟ کیا اس ظالم کو جو غیروں کا مال کھاتا رہا، پل صراط پار کرنے کی طاقت ہوگی اور کیا اس دن یہ اپنا اعمال نامہ اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑے گا؟

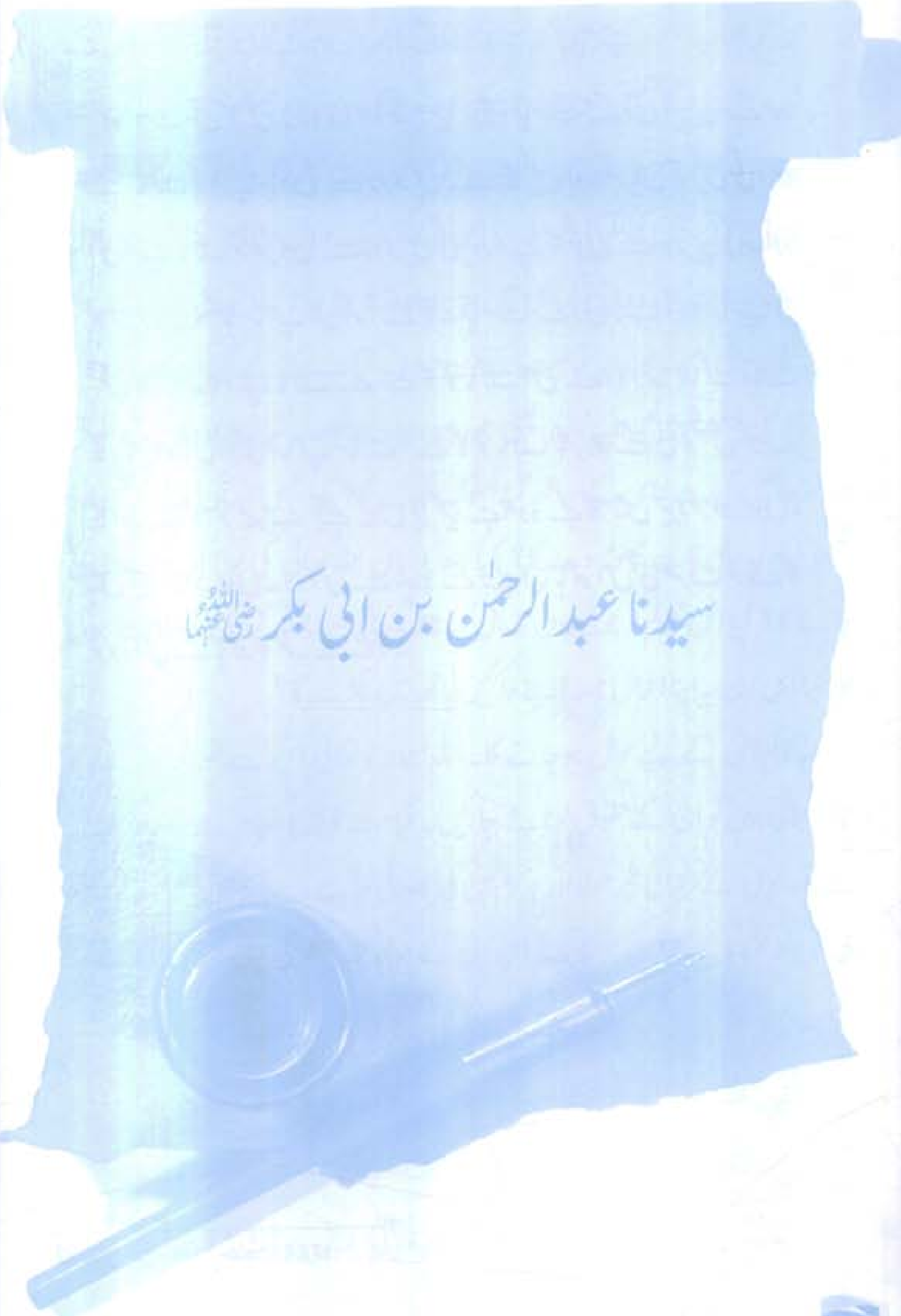
یہ کام اس کے لیے محال ہو جائے گا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس سے ضرور بدلہ لے گا تاکہ حقداروں کو ان کے حقوق لوٹائے جائیں۔ قیامت کو اس انجام سے دوچار ہونے سے انسانوں کے انتہائی خیر خواہ اور ہر دم ان کی بھلائی چاہنے والے رسول ﷺ نے پہلے ہی خبردار کردیا ہے۔ آپ ﷺ نے اس دن کے ہولناک منظر کی یوں تصویر کھینچی ہے:

«تَأْتِي الْإِبِلُ الَّتِي لَمْ تُعْطِ الْحَقَّ مِنْهَا، تَطَأُ صَاحِبَهَا بِأَخْفَافِهَا، وَتَأْتِي الْبَقَرُ وَالْغَنَمُ تَطَأُ صَاحِبَهَا بِأَظْلَافِهَا وَ تَنْطَحُهُ بِقُرُونِهَا وَ يَأْتِي الْكَنْزُ شُجَاعًا أَقْرَعَ، فَيَلْقَى صَاحِبَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَفِرُّ مِنْهُ صَاحِبُهُ مَرَّتَيْنِ، ثُمَّ يَسْتَقْبِلُهُ فَيَفِرُّ، فَيَقُولُ: مَالِي وَلَكَ؟ فَيَقُولُ: أَنَا

كَنْزُكَ، أَنَا كَنْزُكَ، فَيَتَّقِيهِ بِيَدِهِ فَيَلْقَمُهَا»

''وہ اونٹ جن کا حق (زکاۃ) ادا نہیں کیا ہوگا، قیامت کے دن آئیں گے اور اپنے مالک کو اپنے پاؤں سے روندیں گے۔ گائیں اور بکریاں آئیں گی، وہ بھی اپنے مالک کو کھروں سے روندیں گی اور اپنے سینگوں سے ماریں گی۔ اور خزانہ (مال) گنجا سانپ بن کر آئے گا۔ قیامت کے دن جب وہ (سانپ کی شکل کا خزانہ) اپنے مالک سے ملے گا تو مالک اس سے دو دفعہ بھاگ جائے گا، پھر وہ مال، یعنی سانپ سامنے آئے گا تو مالک پھر بھاگنے کی کوشش کرے گا اور کہے گا: تو میرے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے؟ وہ کہے گا: میں تیرا خزانہ ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ وہ اس سے بچاؤ کے لیے اپنا ہاتھ اس کی طرف کرے گا تو وہ اس کے ہاتھ کا لقمہ بنا لے گا۔''[1]

[1] سنن ابن ماجه، حديث: 1786.



سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما

دوسری آیت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِیْۤ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ ۚ وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَكَ اٰمِنْ ۖۗ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚۖ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ﴾

”اور جس نے اپنے والدین سے کہا: تم دونوں پر اُف (افسوس) ہے! کیا تم دونوں مجھے وعدہ دیتے ہو کہ مجھے (قبر سے) نکالا جائے گا، حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں، جبکہ وہ دونوں اللہ سے فریاد کرتے (اور کہتے) ہیں: تو ہلاک ہو جائے! ایمان لے آ، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے، تب وہ کہتا ہے: یہ تو بس اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔“ [1]



[1] الأحقاف 17:46.



آیت کی شان نزول کے متعلق علماء کے اقوال

علمائے تفسیر اور اہل سیر نے کہا ہے: یہ آیت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس کے بارے میں جاننے کے لیے درج ذیل کتب کا مطالعہ مفید رہے گا:

زاد المسير لابن الجوزي: 7/381.

صحيح البخاري، تفسير سورة الأحقاف.[1]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے: جس نے کہا یہ آیت، عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کے بارے میں اتری ہے، اس نے ان پر الزام لگایا ہے۔ عبدالرحمٰن بن ابوبکر بالآخر مسلمان ہوگئے تھے اور وہ اچھے مسلمان ثابت ہوئے، نیز وہ اپنے زمانے کے اچھے لوگوں میں تھے۔[2]

نیز رجوع کریں ❁ تفسیر جلالین ❁ تفسیر البغوی ❁ تفسیر الخازن

آیئے! آپ کو بتاتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کون تھے۔

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 4827. [2] تفسير ابن كثير: 7/284، الأحقاف 46:17.

عبد الرحمٰن کے والد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا دَعَوْتُ أَحَدًا إِلَى الْإِسْلَامِ إِلَّا كَانَتْ فِيهِ عِنْدَهُ كَبْوَةٌ وَ نَظَرٌ وَ تَرَدُّدٌ إِلَّا مَا كَانَ مِنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي قُحَافَةَ، مَا عَكَمَ حِينَ ذَكَرْتُهُ لَهُ وَمَا تَرَدَّدَ فِيهِ»

''میں نے جس کسی کو بھی اسلام کی دعوت پیش کی، اس نے کچھ نہ کچھ توقف کیا یا مہلت مانگی یا پس و پیش کی سوائے ابوبکر بن ابو قحافہ کے، ان کے سامنے جب میں نے دعوت پیش کی تو انھوں نے ذرا بھی توقف نہ کیا اور نہ پس و پیش کی۔'' [1]

ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غار کے ساتھی اور سفر و حضر کے رفیق تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس رفاقت کی قرآن میں یوں منظر کشی فرمائی ہے:

﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾

''(وہ) دو میں دوسرا تھا، جبکہ وہ دونوں غار (ثور) میں تھے، جب وہ (نبی) اپنے ساتھی (ابوبکر) سے کہہ رہا تھا: غم نہ کر، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔'' [2]

عبد الرحمٰن بن ابوبکر کی والدہ ام رومان بنت عامر تھیں جو ایک بہترین بیوی، نیک ماں اور دانا خاتون تھیں۔ ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

«مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى امْرَأَةٍ مِّنَ الْحُورِ الْعِينِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى أُمِّ رُومَانَ»

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 164/2، و السيرة النبوية لابن هشام: 252/1. [2] التوبة 9:40.

''جو شخص حور العین (جنت کی خوبصورت عورتوں) کو دیکھنا پسند کرے، وہ ام رومان کو دیکھ لے۔''[1]

عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی ایک بہن ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں جنھوں نے بیت نبوی میں تربیت پائی، جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین زوجہ تھیں۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں بستی تھیں۔

ایک موقع پر ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق کوئی بات کی تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے:

«يَا أُمَّ سَلَمَةَ! لَا تُؤْذِينِي فِي عَائِشَةَ، فَإِنَّهُ وَاللّٰهِ! مَا نَزَلَ عَلَيَّ الْوَحْيُ فِي لِحَافِ امْرَأَةٍ مِنْكُنَّ غَيْرِهَا»

''ام سلمہ! مجھے عائشہ کے بارے میں دکھ نہ دینا، اللہ کی قسم! اس کے سوا تم میں سے کسی کے بستر میں مجھ پر وحی نہیں اترتی۔''[2]

عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کی ایک بہن اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما تھیں۔ ان کا لقب ''ذات النطاقین'' تھا۔ یہ اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مخالفوں کے مقابلے میں ڈٹ گئی تھیں۔ انھوں نے حجاج بن یوسف کی سرکشی کے مقابلے میں اپنے بیٹے کی ڈھارس بندھائی تھی۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنی ماں اسماء سے کہا تھا: ماں! مجھے خدشہ ہے کہ اگر میں بنوامیہ کے ہاتھ لگ گیا تو وہ میری لاش کا مُثلہ کردیں گے۔ ماں نے اس وقت تاریخی جملہ ارشاد فرمایا: بیٹے! بکری ذبح کردی جائے تو اس کی کھال

---

[1] الطبقات لابن سعد 277/8، یہ روایت انتہائی ضعیف ہے۔ سلسلة الأحاديث الضعيفة: 116/10، حديث:4603. [2] صحيح البخاري، حديث:3775، وسنن النسائي، حديث:3402.

اتارنے میں کیا مضائقہ ہے؟ اگر تم حق پر ہو تو اللہ کا بابرکت نام لے کر اپنے مشن پر کاربند رہو، اگر تم باطل پر ہو تو بہت برے آدمی ہو کہ تم نے اپنے آپ اور اپنے دوستوں کو ہلاکت سے دوچار کیا۔[1]

اتنی خوبیوں والے خاندان کا یہ چشم و چراغ مکہ کی سنگلاخ وادیوں اور میدانوں میں پلا بڑھا۔ اسلام سے پہلے ان کی زندگی بھی مکہ کے عام لوگوں کی سی تھی۔ جب اسلام کا سورج طلوع ہوا اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کا خاندان سچے دین اسلام میں داخل ہوگیا تو عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اسلام کے مخالفین اور گمراہ لوگوں کی صف میں جا کھڑے ہوئے۔ ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا مذاق اڑایا کرتے، ان پر آوازیں کسا کرتے اور کمزور مسلمانوں کی بے عزتی کرتے اور انھیں ایذائیں دیتے تھے۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جان نثار صحابہ کے خلاف کفار کے لشکر میں شامل ہوکر بدر کے موقع پر لڑنے آپہنچے۔ غزوۂ بدر میں انھوں نے بہت کروفر اور بہادری کے جوہر دکھائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت فرمائی اور اپنے گروہ کو زمین پر غلبہ عطا فرمایا اور انھیں زمین کی وراثت کا حقدار ٹھہرایا۔

اللہ تعالیٰ کے لشکروں سے شکست کھا کر کفار مکہ کی طرف بھاگے تو عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما بھی ان بھگوڑوں میں شامل تھا۔ شکست کے باوجود کفار مسلمانوں کو دھمکیاں دیتے رہتے تھے اور کسی موقع کی تلاش میں تھے کہ کب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے صحابہ سے بدر کا انتقام لیں۔ اس کے لیے انھیں میدان احد میں معرکہ بپا کرنے کا موقع ہاتھ آگیا۔ اس معرکے میں مسلمانوں کو انتہائی مشکل اور سخت حالات کا سامنا کرنا پڑا۔

[1] الكامل لابن الأثير: 273/2، وتاريخ ابن خلدون: 38/3.

ان مشکل معاملات میں سے ایک یہ تھا کہ بعض صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے بہ اصرار کہا تھا کہ معرکہ مدینہ سے باہر میدان احد میں لڑا جائے۔

اسی طرح عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) تقریباً ایک تہائی لشکر کے ساتھ راستے سے مڑ گیا تھا۔ تیسری مشکل یہ پیش آئی کہ رسول اللہ ﷺ نے احد کے دامن میں ایک چھوٹی پہاڑی پر فوجی چوکی قائم کی اور اس پر پچاس تیر انداز مقرر کیے تھے۔ انھوں نے دنیا کے مال میں رغبت رکھتے ہوئے آپ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ اس وقت کفار مکہ نے پیچھے سے آ کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا اور صحابہ کفار کے درمیان پھنس گئے۔ اس آفت کی گھڑی میں جب صحابہ کرام پر سخت مصیبت ٹوٹی ہوئی تھی عبدالرحمٰن بن ابوبکر مشرکوں کی صفوں سے نکل کر بلند آہنگ للکارتے ہیں: کوئی ہے جو میرا مقابلہ کرے؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مشرک بیٹے کی للکار سن کر اس پر جھپٹنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ اسے قتل کر کے ایک مشرک کا آوازہ اور ایک کافر کا نقارہ خاموش کر دیا جائے۔ مگر آیندہ کے حالات کی کسے خبر کہ کیا ہو جائے؟ یہ بھی تو ہو سکتا ہے بیٹا باپ پر غالب آ جائے اور اسے قتل کر ڈالے، اس لیے کہ جب دل ہی سیاہ ہو، اس میں ایمان و ہدایت کی روشنی نہ ہو تو اسے کوئی پروا نہیں ہوتی کہ وہ کیا کرتا ہے، کیا نہیں کرتا۔ ایسے شخص کے لیے تو بہت آسان ہے کہ قرابت اور رشتہ داری کے تمام ناتے توڑ ڈالے۔

لیکن یہاں تو کچھ اور ہی ہونے جا رہا ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کانوں میں پیار اور شفقت بھری میٹھی زبان سے کانوں میں رس گھولتی آواز پڑی:

«شَمِّ سَيْفَكَ، وَ أَمْتِعْنَا بِكَ»

''اپنی تلوار میان میں ڈال لو اور اپنی جان کے ساتھ ہمیں فائدہ پہنچاؤ۔'' [1]

[1] الكامل فی التاريخ لابن الأثير: 296/1.

اس آواز نے گویا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قدم جکڑ لیے تھے۔ مسلمانوں اور خود رسول اللہ ﷺ کو اس جنگ میں خاصے زخم آئے تھے۔ جنگ ختم ہوئی تو عبدالرحمٰن بن ابوبکر (رضی اللہ عنہما) ایک مرتبہ پھر لشکر کفار کے ساتھ مکہ لوٹ گئے۔

معرکۂ احد کے بعد تاریخ خاموش ہے کہ عبدالرحمٰن (رضی اللہ عنہ) کیا کرتے رہے، ان کے حالات کیا تھے۔ دور و نزدیک کی کوئی خبر نہیں۔ آئندہ پیش آنے والے معرکوں میں بھی رسول اللہ ﷺ کے خلاف میدان میں آئے یا نہیں؟ یا ان کے دل میں ایمان کی شمع روشن ہوگئی اور انھوں نے اسلام قبول کرلیا تھا؟ کوئی ٹھوس تاریخی ثبوت نہ ملتے ہوں تو آدمی پختہ جواب نہیں دے سکتا۔ تاہم حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو جو تنعیم سے عمرہ کرایا تھا، اس موقع پر آپ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کے بھائی عبدالرحمٰن ہی کو بھیجا تھا۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد جب مرتدین کی سرکوبی کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لشکر اور دستے تیار کیے اور طے کیا کہ ہر اس گروہ اور فرد سے لڑائی ہوگی جس نے نماز اور زکاۃ میں فرق کیا۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

«وَاللّٰهِ! لَوْ مَنَعُونِي عَنَاقًا كَانُوا يُعْطُونَهَا لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَيْهِ»

''اللہ کی قسم! اگر وہ بکری کا ایک بچہ بھی زکاۃ میں نہیں دیں گے جبکہ رسول اکرم ﷺ کو وہ ادا کرتے تھے تو میں اس بنا پر ان سے لڑائی کروں گا۔'' [2]

مرتدین اور مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑائی کرنے والوں میں عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام ملتا ہے۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ جب میدانِ معرکہ میں اترتے ہیں اور معرکہ شروع ہوجاتا

[1] صحيح البخاري، حديث: 1516. [2] صحيح البخاري، حديث: 1400.

ہے تو طرفین سے مقتولین اور شہداء گرنے لگتے ہیں۔ قریب تھا کہ مسلمان ہزیمت کا شکار ہوجائیں۔ مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مسلمانوں کی جماعت! تم نے اپنی جانوں کو بہت بری شے (آرام) کی عادت ڈال رکھی ہے۔ اے اللہ! ان لوگوں، یعنی اہل یمامہ نے جو کچھ کیا ہے میں اس سے بری ہوں اور اِن لوگوں، یعنی مسلمانوں نے جو کچھ کیا ہے، میں اس سے معذور ہوں، پھر وہ دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوگئے۔ [1]

یہاں عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما اپنی بلند قامت، قاطع تلوار اور مضبوط دل کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں۔ انھوں نے دیکھا کہ یمامہ کا چودھری اپنے لوگوں میں کھڑا ان سے خطاب کررہا ہے، انھیں لڑائی اور ثابت قدمی کی ترغیب دے رہا ہے، ان کی کمر ہمت بندھا رہا ہے، ان کا مورال بلند کررہا ہے، ان سے عزت و ناموس اور عورتوں کی حفاظت کی استدعا کررہا ہے، اس کے ساتھ ساتھ انھیں مزعومہ جنت اور چشموں کا وعدہ بھی دے رہا ہے جو مسیلمہ کذاب نے ان کے لیے تیار کیے ہیں۔

عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے یمامہ خبیث کے یہ کلمات سنے تو انھیں جوش آگیا اور سیدھا اس کے سینے میں تیر پیوست کرکے اسے گرادیا اور تلوار اور نیزے کے وار کرکے اسے جہنم رسید کردیا۔

عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ایک مضبوط آواز خاموش کرادی اور وہ نقارہ بند کردیا جو پامردی سے لڑنے پر ابھار رہا تھا۔ مسیلمہ کے چیلے اپنے آدمی (نائب مسیلمہ) اور دوسرے قائد کو کھوچکے تھے۔ جب وہ قتل ہوگیا تو مسیلمہ کذاب قبیح صورت میں مسلمانوں کے

[1] دلائل النبوة للبيهقي:6/356، والمعجم الكبير للطبراني:2/65.

سامنے آیا۔ اب مسیلمہ بھی اسی جگہ کھڑا ہونا چاہتا تھا جہاں تھوڑی دیر پہلے یمامہ کا چودھری کھڑا تھا۔ اس کے باہر نکلتے ہی حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے اس کے برچھا گھونپ دیا۔ انصار میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور تلوار سے اسے ٹھنڈا کر دیا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: مسیلمہ کے لشکر سے ایک آدمی نے چیخ کر کہا: اسے ایک سیاہ غلام نے قتل کیا ہے۔ مسیلمہ کے قتل ہوتے ہی بنو حنیفہ شکست کھا کر بھاگ نکلے۔ [1]

حضرت عبد الرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما ہمیشہ اپنے قائد اور سپہ سالار کے فرمانبردار سپاہی بن کر رہے۔ وقت یوں گزرتا رہا یہاں تک کہ ایک دن قاصد نے آکر اطلاع دی کہ آپ کے والد محترم سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیمار ہیں۔ وہ جلدی سے والد کے گھر پہنچے تو دیکھا والد محترم کی سانس اکھڑی ہوئی ہے اور انھوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم دے رکھا ہے۔

عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ اپنے والد کے پاس آتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں: ابا جان! کسی طبیب کو بلائیں؟

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: وہ میرے پاس آیا تھا اور مجھ سے کہا تھا: میں جو چاہوں گا کروں گا۔ عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ اپنے والد کا مقصد سمجھ کر خاموش رہے۔ پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ وفات پا گئے۔ [2] اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ ان کی اہلیہ اسماء بنت عمیس اور بیٹا عبد الرحمٰن انھیں غسل دیں۔ [3]

---

[1] الكامل في التاريخ لابن الأثير: 374/1، والبداية والنهاية: 357/6. [2] الكامل في التاريخ لابن الأثير: 395/1. [3] الكامل في التاريخ لابن الأثير: 395/1.

والد کی وفات کے بعد عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے صبح و شام پھر مسلمانوں کے ساتھ گزرنے لگے۔ ان کی ہر لڑائی اور صلح میں یہ ان کے شریک رہے اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر اللہ کا دین دنیا میں پھیلاتے رہے اور روئے زمین پر اللہ کی توحید کا پرچار کرتے رہے۔

ایک رات عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اپنی بہن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر رات کا کچھ حصہ گزار کر اپنے گھر لوٹ رہے تھے کہ راستے میں بعض پرانے ٹوٹے پھوٹے گھروں کے پاس کچھ لوگوں کو حلقہ بنائے بیٹھے دیکھا۔ وہ آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ان کے قریب ہوئے اور قریب تھا کہ ان کی باتیں بھی سن لیتے، مگر ان کی شکلیں اور نام ضرور جان گئے۔ وہ تھے ابو لؤلؤ فیروز مجوسی، ہرمزان اور جفینہ۔ یہ لوگ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو دیکھتے ہی دوڑ پڑے اور ان سے دو شاخہ سیاہ خنجر زمین پر گر پڑا۔

عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سوچنے لگے کہ یہ لوگ مجھے دیکھتے ہی کیوں بھاگ کھڑے ہوئے، نیز یہاں کس مقصد کے لیے جمع ہوئے ہیں اور رات کے اس آخری پہر میں یہ لوگ کیا منصوبے بنا رہے ہیں؟

یہ چند سوال عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے ذہن میں گردش کرنے لگے، مگر اس وقت ان کا جواب ان سے نہیں بن پا رہا تھا۔ اس واقعے کو گزرے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو اسلام سے برگشتہ اس باغی گروہ کے منصوبے کا پتہ چل گیا۔ ان کے اسی منصوبے کے نتیجے میں عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔ روایات اس بات پر متفق ہیں کہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما نے جن لوگوں کو رات کے اندھیرے میں سرگوشیاں کرتے

دیکھا تھا، انھوں ہی نے عمر رضی اللہ عنہ کے قتل کی سازش تیار کی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے۔ وہ بھی شہید ہو گئے تو حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے۔ جب ان کی شہادت بھی ہوگئی تو اب زمامِ حکومت حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے ہاتھ آگئی۔ جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کی ولی عہدی کی بیعت لینی چاہی تو اس مقصد کے لیے مروان بن حکم سے بات کی جو اس وقت مدینہ کا گورنر تھا۔ مروان کو حکم دیا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی اولاد میں یزید کی ولی عہدی کا اعلان کردو۔ مروان نے اس حکم کی تعمیل میں اعلان کرایا کہ امیر المؤمنین (معاویہ رضی اللہ عنہ) تمھارے لیے خیر ہی چاہتے ہیں۔ حضرت عبد الرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کھڑے ہوکر کہنے لگے: اللہ کی قسم! مروان تو نے اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے غلط بیانی کی ہے۔ تم دونوں نے امت محمدیہ کے لیے کوئی خیر کا کام نہیں کیا۔ تم تو ھِرقلِیّہ (بادشاہت) قائم کرنا چاہتے ہو، ایک بادشاہ مرجائے تو دوسرا اس کی جگہ آجائے۔

مروان نے کہا: یہی وہ شخص ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی ہے:

﴿وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَا﴾

”اور جس نے اپنے والدین سے کہا: تم دونوں پر اُف (افسوس) ہے!“[1]

مروان کی یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنی تو پردے کے پیچھے سے فرمایا: مروان! او مروان! لوگ عائشہ رضی اللہ عنہا کی آواز سن کر خاموش ہو گئے اور مروان عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منہ کرکے کھڑا ہوگیا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت فرمایا: تو نے عبد الرحمٰن سے کہا ہے

[1] الأحقاف 17:46.

کہ اس کے بارے میں قرآن نازل ہوا ہے؟ تو نے غلط بات کہی ہے۔ اللہ کی قسم! یہ وہ شخص نہیں، وہ تو فلاں بن فلاں ہے۔ [1]

جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو علم ہوا کہ عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے یزید کے حق میں بیعت نہیں کی تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی خدمت میں ایک لاکھ درہم بھیجے جو عبدالرحمن نے واپس کردیے، انھیں لینے سے انکار کیا اور فرمایا: میں دنیا کے بدلے میں اپنا دین نہیں بیچ سکتا۔ پھر عبدالرحمن رضی اللہ عنہ مکہ روانہ ہوگئے اور وہیں یزید کی بیعت مکمل ہونے سے پہلے وفات پاگئے۔ [2]

ابوعمر ابن عبد البر رحمہ اللہ کا کہنا ہے: لوگوں نے بیان کیا ہے کہ عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما مکہ سے دس میل پہلے الحُبشی نامی جگہ میں اچانک فوت ہوگئے تھے۔ بعد میں انھیں مکہ لایا گیا اور وہیں دفن ہوئے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کی وفات نیند کی حالت میں ہوئی تھی۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کی وفات کی خبر ملی تو وہ مدینہ طیبہ سے حج کی نیت سے عازم سفر ہوئیں اور بھائی کی قبر پر جا کر بہت روئیں اور شاعر تمیم بن نویرہ کے یہ اشعار کہے:

وَ كُنَّا كَنَدْمَانَيْ جَذِيمَةَ حِقْبَةً

مِّنَ الدَّهْرِ حَتّٰى قِيلَ لَنْ يَتَصَدَّعَا

فَلَمَّا تَفَرَّقْنَا كَأَنِّي وَ مَالِكًا

---

[1] الكامل في التاريخ لابن الأثير: 141/2، والأوائل للعسكري: 71/1. [2] أسد الغابة: 204/2، والبداية والنهاية: 96/8.

لِطُولِ اجْتِمَاعٍ لَمْ نَبِتْ لَيْلَةً مَعًا

''ہم دونوں ایک طویل زمانے تک جذیمہ کے دو دوستوں کی طرح تھے یہاں تک کہ مشہور ہوگیا کہ یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے۔

اب جب موت نے ہمارے درمیان جدائی ڈال دی ہے تو میں اور مالک طویل زمانہ اکٹھے رہنے کے باوجود ایسے ہوگئے گویا ہم ایک دن بھی اکٹھے نہیں ہوئے۔[1]

پھر عائشہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں: اللہ کی قسم! اگر میں تیری وفات کے وقت حاضر ہوتی تو میں تجھے وہیں دفن کرتی جہاں تیری موت واقع ہوئی ہے، نیز اگر میں تیری وفات کے وقت حاضر ہوتی تو اب نہ روتی۔[2]

عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کی وفات 55 یا 56ھ میں ہوئی۔

رحمه الله رحمة واسعة.

[1] أسد الغابة:2/204، وتحفة الأحوذي:7/157، و الاستيعاب، ص:412. [2] أسد الغابة:2/204.

آیت کی شانِ نزول

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آیت:

﴿ وَالَّذِىْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ ... ﴾ [1] عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے، ان کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ان کے والدین انھیں اسلام کی طرف بلاتے تھے مگر وہ انکار کر دیتے تھے۔ جمہور مفسرین کی رائے یہی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ یہ آیت عبدالرحمٰن کے بارے میں نازل نہیں ہوئی۔ وہ اس بات پر قسم بھی اٹھاتی تھیں اور فرماتی تھیں: میں چاہوں تو اس شخص کا نام بتا سکتی ہوں جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

امام زجاج رحمہ اللہ نے کہا ہے: جس نے یہ کہا کہ یہ آیت عبدالرحمٰن بن ابو بکر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اس کا قول اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی رو سے باطل ہے:

﴿ أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ ﴾

''یہ وہ لوگ ہیں جن پر (اللہ کے عذاب کی) بات ثابت، یعنی پوری ہوگئی۔'' [2]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جن لوگوں نے اپنے والدین کو ''اف'' کا کلمہ کہا، وہ تو ایمان نہیں لائیں گے، جبکہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ مومن شخص ہیں۔ اس آیت کی

[1] الأحقاف 17:46. [2] الأحقاف 18:46.

صحیح تفسیر یہی ہے کہ یہ آیت کافر اور والدین کے نافرمان کے بارے میں اتری ہے۔

امام مجاہد رحمہ اللہ نے کہا ہے: یہ آیت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

امام حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ یہ آیت کفار قریش کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے، انھوں نے اپنے والدین سے یہ کلمہ کہا تھا۔[1]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے، آیت:

﴿وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَا﴾

''جس نے اپنے والدین سے کہا: تمھارے لیے ''اف'' افسوس ہے۔''

عام ہے۔ یہ ہر اس شخص کو شامل ہے جس نے اپنے ماں باپ سے یہ کہا۔ نیز فرمایا: جس نے یہ گمان کیا کہ یہ آیت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اس کا قول ضعیف ہے۔ اس لیے کہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مسلمان ہوگئے تھے اور بہت اچھے مسلمان ثابت ہوئے تھے۔ اور وہ اپنے وقت کے بہترین افراد میں سے تھے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ آیت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ لیکن عوفی کی روایت کی صحت محل نظر ہے۔

ابن جریر رحمہ اللہ نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن ابوبکر کے بارے میں ہے۔ جبکہ ابن جریج نے کہا ہے کہ کئی لوگوں کا کہنا ہے کہ اس سے مراد عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما ہیں۔[2] واللہ أعلم۔

[1] زاد المسير في علم التفسير لابن الجوزي: 381/7. [2] تفسير ابن كثير: 283/7.

فوائد واسباق

معزز قارئین! شریعت اسلامیہ میں خاندان معاشرے کی تعمیر و تشکیل میں سنگِ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلام نے خاندان کی حفاظت کی صورت میں کئی قسم کی ضمانتیں دی ہیں۔ خاندان کی حفاظت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایک خاندان اہل خانہ اور معاشرے میں اپنی مکمل ذمہ داری ادا کر سکے۔ کوئی بھی خاندان اپنے پر مشتمل افراد کی تربیت شریعت اسلامیہ کے مطابق تبھی کر سکتا ہے جب معاشرہ شریعت کا پابند ہو اور اسے ہی اپنا حکم و فیصل مانتا ہو۔ اگر کوئی معاشرہ اسلامی اقدار و اخلاق کو پرکاہ کی حیثیت بھی نہ دے اور مادیات میں منہمک رہے تو اکیلا خاندان اولاد کی اچھی تربیت کی جتنی چاہے کوشش کر لے، وہ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوگی۔

ایک گھر والے اپنی اولاد کو بات چیت میں سچ بولنے کی تلقین کریں، ہر کام اخلاص سے ادا کرنے کا سبق پڑھائیں اور ہر کام میں سچ ہی کو مقدم رکھنے کی تربیت کریں۔

اب جب یہ بچہ باہر کے ماحول معاشرے میں جائے گا اور دیکھے گا کہ سچ کو تو یہاں کوئی پوچھتا ہی نہیں، سچ کا معاشرے میں رواج ہی نہیں تو ذرا سوچیے! گھر کے اندر کی گئی تربیت کا بچے پر کوئی اثر ہوگا؟

آج معاشرے میں اس شخص کی عزت اور مقام زیادہ ہے جو دھوکے اور فریب کے

طریقے اور چاپلوسی کے گر اچھی طرح جانتا ہے، نیز وہ رؤساء اور اشرافیہ کو راضی رکھنے میں ماہر ہو، چاہے اس کی خاطر اسے تمام اخلاقی قدریں پھلانگنی پڑیں۔

اب وہ بچہ کیا کرے جس نے اپنے والدین سے صاف گوئی، پاکدامنی اور صبر و ضبط کی تربیت پائی، نیز اس بچے نے کبھی کسی غیر محرم کی طرف جھانکا نہیں اور نہ حرام مال کھانے کی کبھی تدبیر کی۔ جب یہ بچہ باہر کے ماحول میں آتا ہے تو دیکھتا ہے کہ بہت سے جسم ننگے ہیں، بے حیائی عام ہے اور عزتیں نیلام ہو رہی ہیں۔ کمینے لوگ اِدھر اُدھر منہ مارتے پھرتے ہیں۔

معاشرے میں جو کچھ ہو رہا ہوتا ہے، سب لوگ اسے دیکھ رہے ہوتے ہیں، حکمران بھی اس طوفانِ بے حیائی کا مشاہدہ کر رہے ہوتے ہیں، مگر اسے روکتے نہیں بلکہ حکمران تو اس طرح کے بے حیائی کے پروگراموں کی ترغیب دیتے ہیں۔ لوگوں کو جگہ فراہم کرتے ہیں اور انھیں بے حیائی کے اسباب و آلات مہیا کرتے ہیں تاکہ نوجوان طبقہ خاص طور پر انھی بیہودہ اور بے حیا کاموں میں مشغول رہے اور حکمرانوں سے دور رہے یا ان کی لوٹ مار سے آنکھیں میچی رکھے۔

ایک خاندان اپنے افراد کی بہتر تربیت کی خاطر بہت کچھ کر سکتا ہے بشرطیکہ حکومتی تعاون شامل حال ہو اور معاشرتی ضابطوں اور اخلاق و اقدار کو صحیح بنیادوں پر استوار کرے۔

آج ہم جس صدی میں زندگی گزار رہے ہیں، اس میں عام مشاہدہ تو یہی ہے کہ اکثر اسلامی ممالک کے بہت سے ذرائع ابلاغ معاشرے کو خراب، خاندان کو تباہ اور مرد و زن میں گندگی اور بے حیائی پھیلانے میں کمربستہ ہیں۔ صحافت، یعنی پرنٹ میڈیا

منافع کمانے کی خاطر فطری رجحانات اور نفسانی خواہشات کو ابھارنے میں لگا ہوا ہے۔ صحافت میں جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے، وہ نوجوانوں کو اخلاقی اقدار سے تہی دامن کرنے میں شرمناک کردار ادا کر رہا ہے۔ اس پر مستزاد عریاں تصاویر اور رنگ بدلتے جنسی پروگرام ہیں جن کی کوئی حد نہیں۔

اخبار و رسائل بے ہودہ اور فحش پروگرام نشر کرتے ہیں اور مسلسل کر رہے ہیں۔ ریڈیو پر بھی فحش اور گندے گانے اور بے ہودہ باتیں بلکہ بعض اوقات واضح کفریہ اعتقادات بیان کر دیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد ٹیلی ویژن آیا تو اس کے پروگرام نشر کرنے والوں نے نت نئی چیزیں پیش کرنی شروع کر دیں۔ انھوں نے معاشرے میں ہر وہ آلائش پیش کر دی ہے جس سے انسانی خواہشات کی آگ بجھتی ہے اور آدمی آہستہ آہستہ تباہی و بربادی میں جا گرتا ہے۔

صحافت، ریڈیو اور ٹیلی ویژن یہ ایسے ذرائع ابلاغ ہیں جنھوں نے بنی نوع انسان کی تہذیب و ارتقاء میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہ ذرائع ابلاغ معاشرے کی تعمیر و تشکیل اور اس کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے ذرائع میں سے ایک اہم ذریعہ ہیں بشرطیکہ انھیں احکام ربانی اور دین اسلام کے دائرے میں رہ کر استعمال میں لایا جائے۔

صحافت ایک ایسا شعبہ ہے جس سے لوگوں کی تعلیم و تربیت کرنے، ان کی فکر کو صحیح رُخ دینے اور انھیں نیکی اور فلاح کی طرف راغب کرنے کا عظیم کام لیا جا سکتا ہے۔

ریڈیو بھی فکر و کردار کی اصلاح اور نیکیوں کے فروغ کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ ابلاغ کا یہ ذریعہ قوم کے ہر طبقے کی راہنمائی کرتا ہے۔ جیسے کہ کسانوں کی کھیتی باڑی میں رہنمائی کرتا ہے۔ اس راہنمائی کی روشنی میں وہ اچھی فصل حاصل کر سکتے ہیں، زمین کی

پیداواری صلاحیت بڑھا سکتے ہیں اور زیادہ نفع کما سکتے ہیں۔

ریڈیو کی مدد سے صنعت کار اپنے کارخانوں کی پیداوار بڑھا سکتے ہیں مشینوں پر کام کرنے والے مزدوروں کی بہتر رہنمائی کی جا سکتی ہے۔ اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ ریڈیو پروگراموں سے اپنی تعلیم کی بہتری کے لیے استفادہ کر سکتے ہیں۔ دفاتر میں کام کرنے والے بھی اس سے اپنی ضرورت کے مطابق اچھے خاصے مستفید ہو سکتے ہیں۔ ریڈیو ان تمام شعبوں کے لیے علم وفن کے جدید طریقے سامنے لاتا ہے حتی کہ زندگی کی نشوونما ہوتی ہے اور معاشرے میں خوشحالی کو فروغ ملتا ہے۔

جو کام ریڈیو سے لیا جاتا ہے، وہ ٹیلی ویژن کے ذریعے سے اور بہتر شکل میں پیش کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس پر آواز کے ساتھ ساتھ تصویر بھی آ جاتی ہے اور اس طرح سننے اور دیکھنے والے زیادہ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

اگر امت مسلمہ معاشرے میں پھیلی ہوئی خرابیوں کا تدارک نہیں کرتی اور اپنے رب کی کتاب اور اپنے رسول ﷺ کی سنت پر عمل نہیں کرتی تو اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اسے سابقہ قوموں ہی کی طرح اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب اور عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوٓا أَمْثَٰلَكُم ۝ ﴾

"اور اگر تم (دین سے) منہ موڑو گے تو اللہ تمھارے سوا دوسرے لوگ بدل لائے گا، پھر وہ تم جیسے (نافرمان) نہ ہوں گے۔"[1]

---

[1] محمد 47:38.

سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ

تیسری آیت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ۗ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ○ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۚ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ○﴾

”وہی ہیں جو کہتے ہیں کہ تم ان پر خرچ نہ کرو جو رسول اللہ کے پاس ہیں، یہاں تک کہ وہ منتشر ہو جائیں، اور آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ ہی کے ہیں، لیکن منافق سمجھتے نہیں۔ وہ کہتے ہیں: البتہ اگر ہم لوٹ کر مدینہ گئے تو معزز ترین لوگ وہاں سے ذلیل ترین لوگوں کو نکال دیں گے، اور عزت اللہ ہی کے لیے ہے، اور اس کے رسول کے لیے، اور مومنوں کے لیے، لیکن منافق (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔“ [1]



[1] المنفقون 63:7، 8.



ان آیات کے بارے میں علماء کے اقوال

بعض مفسرین اور اصحاب السنن نے کہا ہے کہ یہ آیات سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی تصدیق میں اتری ہیں۔ اس کے لیے دیکھیے:

الاستيعاب في معرفة الأصحاب: 535/2.

صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب تفسير سورة المنافقين، حديث: 4900.

صحيح مسلم، باب صفات المنافقين، حديث: 2772.

جامع الترمذي، كتاب التفسير، باب و من سورة المنافقين، حديث: 3316-3312.

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کون تھے؟ ان کے حالات سے واقفیت کے لیے ہمارے ساتھ رہیے۔

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ

زید بن ارقم بن زید بن قیس انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ کا شمار انصار کے ان لوگوں میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کا شاندار استقبال کیا اور ان پر اپنا قیمتی مال اور جانیں نچھاور کردیں۔ زید رضی اللہ عنہ یتیم تھے۔ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے زیر سایہ انھی کے ہاں پرورش پا رہے تھے۔ یہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ وہی ہیں جنھوں نے عمرۃ القضاء کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار تھام رکھی تھی اور یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

خَلُّوا بَنِي الْكُفَّارِ عَنْ سَبِيلِه

خَلُّوا فَإِنَّ الْخَيْرَ مَعَ رَسُولِه

قَدْ أَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ فِي تَنْزِيلِه

ضَرْبًا يُزِيلُ الْهَامَ عَنْ مَقِيلِه

وَ يُذْهِلُ الْخَلِيلَ عَنْ خَلِيلِه

”اے گروہ کفار! آج نبی کا راستہ چھوڑ دو، پیچھے ہٹ جاؤ اور جان لو بے شک خیر و بھلائی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھامنے میں ہے۔ اللہ رحمٰن نے اپنے قرآن میں یہ حکم اتارا ہے کہ کفار کو ایسی ضرب لگاؤ جس سے ان کی کھوپڑیاں

ان کی گردنوں سے جدا ہو جائیں اور دلی دوست اپنے دلی دوست سے غافل ہو جائے۔"[1]

روایات میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: نیچے اتر کر قافلے کے حدی خواں بنو۔ عبداللہ بن رواحہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں نے حدی خوانی چھوڑ دی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: رسول اللہ ﷺ کا حکم سنیں اور عمل بجالائیں! چنانچہ عبداللہ بن رواحہ سواری سے اترے اور یہ اشعار کہنے لگے۔

يَا رَبِّ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا
وَ لَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَأَنْزِلَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا
وَ ثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا
إِنَّ الْكُفَّارَ قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا
وَ إِنْ أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَيْنَا

"اے رب! اگر تو نہ ہوتا تو ہم کبھی ہدایت نہیں پا سکتے تھے۔ نہ ہم صدقہ کرتے اور نہ ہم نماز پڑھتے۔ تو ہم پر سکینت نازل فرما اور اگر دشمن سے مڈھ بھیڑ ہو جائے تو ہمیں ثابت قدم رکھنا۔ یقیناً کفار نے ہم پر سرکشی کی ہے۔ اگر وہ ہم سے کفر کا ارادہ رکھتے ہیں تو ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔"[2]

[1] جامع الترمذي، حديث: 2847، ومختصر سيرة الرسول للتميمي: 190/1. [2] سنن النسائي الكبرى: 136/6، حديث: 10367، وشرح مشكل الآثار للطحاوي: 381/8.

نبی کریم ﷺ نے یہ سن کر ان کے حق میں دعا کی: «اَللّٰهُمَّ! ارْحَمْهُ» ''اے اللہ! عبداللہ پر رحم فرما۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وَجَبَتْ یعنی ان کے حق میں رسول اللہ ﷺ کی دعا قبول ہوگئی ہے اور یہ اللہ کے راستے میں شہید ہوں گے۔ [1]

سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے ایسے ہی جلیل القدر صحابی کی تربیت میں پرورش پائی تھی جن سے اللہ کے رسول ﷺ محبت کرتے تھے اور ان کے لیے دعائیں کرتے تھے۔

سیدنا زید رضی اللہ عنہ کے بچپن اور جوانی کی سرگزشت سے تاریخ کے اوراق خالی نظر آتے ہیں اور ان کے قبول اسلام کی داستان کہ وہ کب اور کیسے مسلمان ہوئے، اس کا بھی کہیں ذکر نہیں ملتا۔ ان کی شخصیت کا ظہور ایک غزوے میں محب رسول اور پختہ کار مومن کی حیثیت سے ہوا۔ مدینہ منورہ کی تاریخ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف منافقین کا کردار کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں۔ یہ وہی گروہ تھا جس نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر درپردہ اسلام دشمنی کو چھپائے رکھا۔ آستین کے ان سانپوں کا ایک خبث باطن غزوہ بنی مصطلق میں بھی سامنے آیا۔

رسول اللہ ﷺ کو خبر پہنچی کہ بنو مصطلق رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف لشکر جمع کر رہے ہیں۔ ان کا سالار حارث بن ابوضرار ہے جس کی بیٹی جویریہ رضی اللہ عنہا کو بعد میں ام المومنین ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

رسول اللہ ﷺ نے بنو مصطلق کی منفی سرگرمیوں کے بارے میں سنا تو تیاری کر کے

[1] الطبقات لابن سعد: 527/3.

ان کی سرکوبی کے لیے چل پڑے۔ چلتے چلتے مریسیع کے کنویں پر ان سے آمنا سامنا ہوگیا۔لڑائی شروع ہوئی تو بنو مصطلق شکست کھا گئے۔ بعد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پانی کے ایک کنویں پر بھیڑ لگادی۔ اس دوران میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غلام جہجاہ بن مسعود، عمر رضی اللہ عنہ کا گھوڑا لے کر آگیا۔ ادھر سے اسی وقت سنان بن وبر جہنی جو عوف بن خزرج کا حلیف تھا، سامنے آگیا اور دونوں میں لڑائی ہوگئی۔ سنان جہنی نے انصاریوں کو مدد کے لیے پکارا: اے انصاریو!

اور جہجاہ نے مہاجرین کو آواز دی: اے مہاجرو!

رئیس المنافقین ابن اُبی کو یہ سن کر غصہ آگیا۔ اس وقت اس کی قوم کے کچھ افراد اس کے ساتھ تھے۔ ان میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بھی تھے جو ان میں سے کم عمر تھے۔ عبد اللہ بن اُبی کہنے لگا: مہاجرین نے یہ حرکت کی ہے؟ حالانکہ انھوں نے ہم سے لڑائی کی ہے اور ہمارے علاقوں میں بھیڑ مچائی ہے۔ میں اپنی اور قریش (مہاجر مسلمانوں) کی مثال ایسے ہی سمجھتا ہوں جیسے سابقہ لوگوں نے کہا ہے: سَمِّنْ كَلْبَكَ يَأْكُلْكَ ''کتے کو کھلا کر موٹا کرو تاکہ وہ تمھیں کھائے۔'' اللہ کی قسم! اگر ہم لوٹ کر مدینہ گئے تو معزز ترین لوگ وہاں سے ذلیل ترین لوگوں کو نکال دیں گے۔ پھر وہاں موجود اپنی قوم کے لوگوں سے کہا: یہ تمھارے کیے کا نتیجہ ہے، تم نے انھیں (مہاجرین کو) اپنے علاقے میں ٹھہرایا اور انھیں اپنے مالوں میں شریک کیا۔ اللہ کی قسم! اگر تم ان پر خرچ کرنا چھوڑ دو یہ خود ہی دوسرے علاقوں میں چلے جائیں گے۔

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے یہ باتیں سن لیں اور سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معرکے کے معاملات نپٹا کر ابھی فارغ ہوئے ہی تھے۔

زید رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری باتیں بتادیں۔ اس وقت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے۔ کہنے لگے: اللہ کے رسول! عباد بن بشر کو حکم دیں، وہ اس منافق کا کام تمام کردیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر! یہ کیونکر ہوسکتا ہے، لوگ باتیں کریں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرادیتے ہیں؟ میں یہ کام نہیں کروں گا، البتہ آپ لوگوں میں کوچ کا اعلان کردیں۔ یہ ایسا وقت تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر نہیں کیا کرتے تھے۔ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سن کر چل پڑے۔

عبداللہ بن ابی کو پتہ چل گیا کہ زید بن ارقم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی ہے، لہٰذا وہ بھاگا بھاگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اللہ کی قسمیں اٹھانے لگا کہ زید نے آپ سے جو کچھ کہا ہے، میں نے وہ باتیں نہیں کیں۔

عبداللہ بن ابی اپنی قوم کا سردار تھا۔ اس کی عزت کی خاطر بعض انصار صحابہ نے جو اس وقت آپ کے ساتھ تھے، کہا: اے اللہ کے رسول! ہوسکتا ہے اس لڑکے (زید رضی اللہ عنہ) کو وہم لگا ہو اور وہ بات یاد نہ رکھ سکا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے جارہے تھے کہ حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ آپ سے ملے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور عرض کرنے لگے: اے اللہ کے نبی! آج آپ ایسے وقت میں سفر کررہے ہیں جس میں آپ عموماً سفر نہیں کرتے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمھارے ساتھی نے جو باتیں کی ہیں کیا تمھیں ان کا علم نہیں ہوا؟ اسید رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارا کونسا ساتھی مراد ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عبداللہ بن ابی ابن سلول۔ اسید رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اللہ کے رسول! اس نے کیا کہا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا گمان ہے کہ اگر وہ مدینہ پہنچ جائے تو عزت والے لوگ

وہاں سے ذلیل لوگوں کو نکال دیں گے۔

اُسید رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: اللہ کے رسول! بلکہ آپ جب چاہیں اسے مدینہ سے نکال سکتے ہیں۔ اللہ کی قسم! وہی ذلیل ترین ہے، آپ نہایت معزز و مکرم ہیں۔ پھر اسید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اس پر نرمی کریں۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو ہمارے پاس لایا ہے (اور ہم آپ کی اتباع میں متحد ہو گئے ہیں) ورنہ اس کی قوم نے اس کے لیے موتیوں کا ایک تاج جڑا ہوا تھا جو وہ اس کے سر پر رکھنا چاہتے تھے، اس بنا پر وہ سمجھتا ہے کہ آپ نے اس کی سرداری چھین لی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو لے کر سارا دن چلتے رہے یہاں تک کہ شام ہوگئی۔ یہ رات بھی چلتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور اگلے دن کا پہلا پہر بھی سفر جاری رکھا حتی کہ جب دھوپ ستانے لگی، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو پڑاؤ کا حکم دیا، پھر کیا تھا جیسے ہی لوگوں کے پہلو زمین سے لگے، سب گہری نیند سو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تدبیر اس لیے کی کہ لوگ عبد اللہ بن ابی والے کل کے واقعے کو بھول جائیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں ایک سورت اتار دی۔ اس میں ابن ابی اور اس کے ساتھی منافقین کے نفاق سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ [1]

جب سورۃ المنافقین اتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا کان پکڑ کر فرمایا:

«هٰذَا الَّذِي أَوْفَى لِلّٰهِ بِأُذُنِهِ»

’’اس (زید) نے اللہ کے لیے اپنے کانوں کو سچا کیا ہے۔‘‘ [2]

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 52/4، والرحيق المختوم، ص: 290. [2] السيرة النبوية لابن كثير: 300/3، والبداية والنهاية: 180/4، ودلائل النبوة للبيهقي: 57/4.

یعنی زید رضی اللہ عنہ کے کانوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو واجب تھا، وہ انھوں نے ادا کر دیا ہے۔

ایک دیندار شخص اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا مسلمانوں کی توہین کبھی برداشت نہیں کر سکتا۔ مسلمان کی دوستی ہمیشہ اللہ ہی کی خاطر ہوتی ہے۔ اور مسلمان ہر حال میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والا ہوتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو اپنا حکم تسلیم کرتا ہے۔ لیکن وہ لوگ جن کی دوستی یہودیوں سے ہے، وہ یہودی جنھوں نے تورات میں تحریف کر ڈالی یا جن کی دوستی عیسائیوں سے ہے جنھوں نے تثلیث کا عقیدہ گھڑا، یا جن کی دوستیاں منافقوں، موقع پرستوں اور اللہ کی حدود سے تجاوز کر جانے والوں سے ہوتی ہیں، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ مومنوں سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَتَّخِذُواْ عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمۡ أَوۡلِيَآءَ تُلۡقُونَ إِلَيۡهِم بِٱلۡمَوَدَّةِ وَقَدۡ كَفَرُواْ بِمَا جَآءَكُم مِّنَ ٱلۡحَقِّ ﴾

”اے ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ وہ حق (سچے دین) کے منکر ہوئے ہیں جو تمھارے پاس آیا ہے۔“ [1]

اللہ تعالیٰ نے ابن ابی کے واقعے کے متعلق قرآن نازل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس منافق سے فرمایا: یقیناً تو بہت بڑا جھوٹا ہے، تو نے لوگوں کو ناحق ذلیل کہا ہے۔ تیرے ہر ہر عضو پر بزدلی چھائی ہوئی ہے، تو حق بات کہہ سکتا ہے نہ سچی بات کا اقرار کر سکتا ہے، لہٰذا تو نے جس غلط کام کا ارتکاب کیا ہے اس کے لیے عذر پیش نہ کر۔

[1] الممتحنة 1:60.

دوسری طرف نوجوان زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی تصدیق میں قرآن نازل ہوا۔ وہ دل کے سچے تھے تو زبان کے بھی سچے تھے۔ انھوں نے منافقین کے سردار کی جو شکایت کی تھی وہ بھی درست تھی۔ اس واقعے کے بعد تو زید بن ارقم رضی اللہ عنہ ہر غزوے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہے۔ وہ سچے اور بہادر سپاہی تھے۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے کلمے کو سربلند کرنے کے لیے ہر موقع پر جہاد کیا۔ جہاد گویا ان کا پیشہ بن گیا تھا۔ اب وہ کسی بھی غزوے سے، چاہے حالات و اسباب کیسے ہی ہوں، پیچھے نہیں رہ سکتے تھے۔

زید رضی اللہ عنہ اس غزوے میں بھی شریک تھے جو روم کے علاقوں میں لڑا جانا تھا، جس کا نام غزوۂ موتہ ہے۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اس لشکر میں ایک بہادر سپاہی کی حیثیت سے شامل تھے۔ وہ خود اپنے بارے میں بیان کرتے ہیں: غزوہ موتہ کے موقع پر میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ انھوں نے مجھے اپنے پیچھے سوار کیا ہوا تھا۔ ایک رات میں نے انھیں یہ اشعار کہتے ہوئے سنا:

إِذَا أَدْنَيْتَنِي وَ حَمَلْتِ رَحْلِي
مَسِيرَةَ أَرْبَعٍ بَعْدَ الْحِسَاءِ

فَشَأْنُكِ فَانْعِمِي وَ خَلَاكِ ذَمٌّ
وَلَا أَرْجِعْ إِلَى أَهْلِي وَرَائِي

وَ آبَ الْمُسْلِمُونَ وَ غَادَرُونِي
بِأَرْضِ الشَّامِ مُشْتَهِي الْإِوَاءِ

وَرَدَّكِ كُلُّ ذِي نَسَبٍ قَرِيبٍ
إِلَى الرَّحْمٰنِ مُنْقَطِعِ الْإِخَاءِ
هُنَالِكَ لَا أُبَالِي طَلْعَ بَعْلٍ
وَ لَا نَخْلٍ أَسَافِلُهَا رِوَاءِ

''جب تو نے مجھے قریب کر دیا اور میرا کجاوہ حساء کے بعد چار دن کی مسافت تک اٹھائے رکھا۔ پس تو خوش ہو جا اور خوش و خرم رہ، تیرے سوا دیگر کاموں کی مذمت ہے۔ مگر اب میں واپس اپنے گھر والوں کے پاس نہیں جاؤں گا۔ مسلمان واپس آ جائیں گے اور مجھے شام کے علاقے میں چھوڑ آئیں گے جہاں رہنا پسند کیا گیا ہے۔ اور ہر قریبی نسب والے نے تجھے رحمٰن کی طرف لوٹا دیا ہے جہاں بھائی چارہ کام نہیں آتا۔ تب مجھے شگوفوں کے پھوٹنے کی کوئی پروا نہیں نہ ان کھجوروں کے درختوں کی ضرورت ہے جن کی جڑوں میں تری ہوتی ہے۔''[1]

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب میں نے یہ اشعار سنے تو میری آنکھوں میں بے ساختہ آنسو آ گئے۔ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے میرے رونے کی آواز سنی تو اپنا درہ مجھ پر لہرایا اور فرمایا: اگر اللہ مجھے شہادت سے سرفراز کرے تو تیرا کیا جائے گا، تو کجاوے پر بیٹھ کر گھر لوٹ ہی جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تمنا پوری کر دی اور وہ شہادت کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہوئے۔[2]

[1] حلية الأولياء: 119/1، والسيرة النبوية لابن هشام: 26/5، وأسد الغابة: 107/2، والبداية والنهاية: 278/4. [2] المعجم الكبير للطبراني: 473/18، والسيرة النبوية لابن هشام: 26/5.

زید رضی اللہ عنہ لشکر کے ساتھ واپس مدینہ آ گئے۔ تاریخ اس سے آگے کے حالات بیان نہیں کرتی، البتہ مرور ایام کے ساتھ ان کا نام جنگ صفین میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں ایک بار پھر ملتا ہے۔ زید رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ کے بہادر، جنگجو، مخلص اور مقرب ساتھیوں میں سے تھے۔ جنگ صفین کے بعد ہر گروہ سے الگ تھلگ ہو کر کوفہ جا بسے اور وہیں کِندہ کے علاقے میں اپنا گھر بنا کر رہنے لگے۔[1] وہاں اپنے رب کی عبادت میں مصروف رہتے اور آنے جانے والے دوستوں کی خدمت تواضع کرتے اور بھلائی کے کاموں کی طرف راہنمائی کرتے رہتے۔ اسی طرح روز و شب گزرتے رہے۔ بالآخر 68ھ میں وقت مقرر آ گیا اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

رَحِمَهُ اللّٰهُ رَحْمَةً وَّاسِعَةً وَ أَسْكَنَهُ فَسِيحَ جِنَانِهِ بِمِقْدَارِ مَا قَدَّمَ مِنْ خَيْرٍ لِلْإِسْلَامِ

[1] الاستیعاب، ص:283,282.

آیت کی شان نزول

سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ لوگوں کو اس سفر میں خاصی مشقت اٹھانا پڑی۔ منافق عبد اللہ بن ابی نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں پر خرچ کرنا چھوڑ دو، یہ خود ہی رسول اللہ (ﷺ) کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ اس منافق نے یہ بھی کہا: اگر ہم مدینہ لوٹ کر جائیں گے تو معزز ترین لوگ وہاں سے ذلیل ترین لوگوں کو نکال دیں گے۔

زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں جلدی سے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کو ابن ابی کی ہفوات سے مطلع کیا۔ آپ ﷺ نے عبد اللہ بن ابی کو بلا بھیجا۔ جب وہ آگیا تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا تو وہ قسم کھا گیا کہ میں نے کچھ نہیں کہا۔ لوگوں نے باتیں بنانی شروع کر دیں کہ زید نے رسول اللہ ﷺ کو غلط اطلاع دی ہے۔ لوگوں کی باتوں سے مجھے انتہائی تکلیف پہنچی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر میری تصدیق میں سورہ ﴿إِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُونَ ...﴾ اتار دی۔

پھر نبی ﷺ نے منافقوں کو بلایا تاکہ آپ ﷺ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں تو وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے چلے گئے۔ وہ ایسے ہوگئے، گویا وہ ٹیک لگی لکڑیاں

ہیں، حالانکہ وہ خوبصورت اور نوجوان تھے۔ [1]

ایک روایت میں آیا ہے کہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے ایک غزوے میں عبداللہ بن ابی سے مسلمانوں کے خلاف باتیں (جیسے اوپر گزری ہیں) سنیں تو میں نے اپنے چچا یا عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا تذکرہ کیا۔ انھوں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا تو پھر میں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن ابی کا قصہ سنا دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کو بلایا۔ وہ قسمیں کھانے لگے کہ ہم نے کچھ نہیں کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سچا جانا جبکہ مجھے جھوٹا خیال کیا۔ مجھے انتہائی شدید غم اور دکھ ہوا کہ اتنا شدید غم مجھے کبھی لاحق نہیں ہوا ہوگا۔ شدت غم کی بنا پر میں اپنے گھر میں بیٹھ گیا۔ میرے چچا نے مجھ سے کہا: تم سے یہ کیا سرزد ہوا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمھیں جھٹلا بھی رہے ہیں اور ناراض بھی ہو رہے ہیں؟ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ ﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ ...﴾ کی آٹھ آیات نازل فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف پیغام بھیجا اور یہ سورت مجھے پڑھ کر سنائی، پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمھیں سچا قرار دیا ہے۔ [2]

ایک اور روایت میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے کہ ہمارے ساتھ سفر میں کچھ بدوی (دیہاتی) لوگ بھی شریک تھے۔ ہم پانی لینے کے لیے ایک کنویں پر جلدی جلدی پہنچے تو بدویوں نے ہم سے پہلے پہنچنے کی کوشش کی۔ ایک بدوی اپنے ساتھیوں سے پہلے کنویں پر پہنچ گیا۔ اس کے بعد دوسرے بدوی آنا شروع ہو گئے۔ ایک بدوی آگے

---

[1] تفسير ابن كثير: 129/8، ومسند أحمد: 373/4. [2] صحيح البخاري، حديث: 4900، و صحيح مسلم، حديث: 2772.

بڑھتا، حوض پانی سے بھرتا اور حوض کے گرد پتھر جوڑ کر اوپر چمڑا ڈال دیتا تھا تاکہ اس کا دوسرا ساتھی آ جائے۔ اسی دوران میں ایک انصاری ایک بدوی کے پاس گیا اور پانی پلانے کے لیے اپنی اونٹنی کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی۔ بدوی نے پانی پلانے سے انکار کر دیا۔ انصاری نے حوض کے پتھروں میں سے ایک پتھر اکھاڑ دیا۔ اس کے نتیجے میں بدوی نے ڈنڈے سے انصاری کا سر پھوڑ دیا، پھر رئیس المنافقین ابن ابی کے پاس آ کر شکایت بھی کر دی جس سے منافق کو غصہ آ گیا۔ یاد رہے! یہ بدوی ابن ابی کے ساتھیوں میں سے تھا۔

عبد اللہ بن ابی نے کہا: جو لوگ رسول اللہ (ﷺ) کے ساتھ ہیں، ان پر خرچ نہ کرو۔ یہ خود ہی آپ (ﷺ) کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ اس کی مراد دیہاتی تھے کیونکہ وہ کھانے کے وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہو جایا کرتے تھے۔

عبد اللہ بن ابی نے یہ بھی کہا کہ جب یہ لوگ محمد (ﷺ) سے دور ہٹ جائیں، تب تم اپنا کھانا محمد (ﷺ) کو پیش کیا کرو جسے آپ (ﷺ) اور آپ کے پاس موجود لوگ ہی کھائیں۔ پھر اپنے ساتھی منافقوں سے کہنے لگا: اگر ہم لوٹ کر مدینہ جائیں تو وہاں کے معزز ترین لوگ وہاں سے ذلیل ترین لوگوں کو نکال دیں گے۔

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اپنے چچا کے پیچھے سوار تھا۔ میں نے عبد اللہ بن ابی کی بات سن لی۔ وہ میں نے اپنے چچا کو بتا دی۔ میرے چچا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو مطلع کیا۔ آپ ﷺ نے ابن ابی کو بلایا۔ وہ آیا تو قسمیں کھانی شروع کر دیں اور اپنی بات ہی سے مکر گیا۔ زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ نے اسے سچا جانا جبکہ میری تصدیق نہ کی۔ میرے چچا میرے پاس آئے

اور کہنے لگے: میرا یہ خیال ہی نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ تم پر ناراض ہوں گے اور تمھیں جھوٹا کہیں گے۔ بس مجھے شدید غم لاحق ہوا جو شاید کسی اور کو کبھی لاحق نہ ہوا ہو۔ اسی اثنا میں، میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا۔ میں نے غم کی وجہ سے سر جھکا تو یکا یک رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لے آئے اور میرا کان دبایا اور مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا۔ میرے سامنے ساری دنیا کا مال و متاع بھی اس تبسم نبوی کے مقابلے میں ہیچ ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مجھ سے ملے اور پوچھا: رسول اللہ ﷺ نے تم سے کیا بات کی ہے؟ میں نے جواب دیا: آپ ﷺ نے مجھ سے کچھ نہیں فرمایا، البتہ میرا کان پکڑ کر دبایا اور مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو پھر خوش ہو جاؤ۔

پھر عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے ملے۔ میں نے ان سے بھی وہی بات کی جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کی تھی۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر میں سورۂ منافقین کی تلاوت فرمائی۔[1]

[1] صحيح البخاري، حديث:4901-4903، وصحيح مسلم، حديث: 2772، وجامع الترمذي، حديث:3312,3313.

فوائد و اسباق

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کوفہ کیوں جابسے تھے؟ ان سے پہلے اور بعد میں کتنے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کوفہ میں سکونت کو کیوں ترجیح دی؟ ان لوگوں نے ان شہروں کو کیوں خیر باد کہا جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدم بوسی کی تھی؟

کیا یہ لوگ اس لیے کوفہ گئے تھے کہ اس زمانے میں یہاں مال اور رزق کی فراوانی تھی؟ یا اس شہر میں سکونت کو ترجیح دینے کا سبب یہ تھا کہ یہاں کی آب و ہوا بڑی عمدہ تھی؟ یا اس کے علاوہ کوئی دوسرے اسباب تھے جنھوں نے صحابہ کی ایک بڑی جماعت کو کوفہ کی طرف رخ کرنے اور زندگی کے بقیہ ایام وہیں گزارنے پر مجبور کر دیا تھا؟

ان سوالوں کے جوابات سے پہلے ہم کوفہ شہر کی بنیاد اور اس کی آباد کاری پر کچھ روشنی ڈالنا چاہیں گے اور یہ بھی بتانا چاہیں گے کہ اس کا منصوبہ کس نے پیش کیا تھا اور اس کی بنیاد کس نے رکھی تھی۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جب معرکۂ قادسیہ سے فارغ ہو گئے اور یزدگرد اصطخر کی طرف بھاگ گیا تو تمام مسلمان فوجیوں نے ایک طرف پڑاؤ ڈال دیا۔ مگر یہاں وہ بیمار ہو گئے۔ اس صورت حال کے پیش نظر سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ عربوں کو شہر موافق نہیں، انھیں بکریوں اور اونٹوں کے علاقے

میں رہنا ہی بہتر ہے، نیز میرے اور مسلمانوں کے درمیان سمندر یا پانی حائل نہیں ہونا چاہیے، لہٰذا تم کسی کھلے علاقے، یعنی دیہات وغیرہ میں رہنے کو ترجیح دو۔

ابن بقیلہ، سعد رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: کیا میں ایسی زمین کی نشان دہی نہ کروں جو جنگل یا صحرا سے ہٹ کر اور خراب زمین سے بلند ہو؟ سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، بتاؤ وہ کونسی جگہ ہے۔ تب ابن بقیلہ نے کوفہ کی جگہ کی نشان دہی کی۔[1] تاریخ میں مذکور ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے قلعے کی سنگ بنیاد رکھتے ہوئے دعا کی تھی:

"اے اللہ! اس قلعے کو مسلمانوں کی دشمن سے حفاظت کا ذریعہ بنا۔"

یہ یاد رہے کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مستجاب الدعوات تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی، چنانچہ باہر سے کوئی بھی حملہ آور دشمن یہاں گھسنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ یہ عمارت تا دیر قائم رہی۔ کوفہ کے قلعے کے قائم و محفوظ رہنے کے باوجود مسلمانوں کی باہمی بہت شدید لڑائیاں ہوتی رہیں۔ مسلمان ایک ایسی اندھیری رات میں داخل ہو چکے تھے جو ختم ہونے والی نہیں تھی، نیز وہ ایسے ہلاکت خیز معرکوں میں جا گھسے تھے جنھوں نے مسلمانوں کی قوت کو پارہ پارہ کر دیا تھا۔ ان فتنہ پرور معرکوں میں اسلام اور مسلمانوں نے بہت نقصان اٹھایا تھا۔

جب زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کوفہ میں جا بسے تھے، اس وقت کی مسلمانوں میں جاری لڑائیوں کی سنگینی کی تصویر کھینچتے ہوئے بعض مؤرخین لکھتے ہیں: لوگوں نے کوفے کے قلعے میں عبید اللہ بن زیاد کے سامنے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا سر رکھا ہوا دیکھا جسے ابن زیاد چھڑی سے ٹھوکے دے رہا تھا۔

---

[1] البداية والنهاية: 60/7.

اس سانحے کے تھوڑے ہی عرصے بعد مختار ثقفی اٹھا اور بظاہر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا انتقام لینے کی خاطر ایک لشکر جرار لے کر کوفے پر چڑھ دوڑا اور عبید اللہ بن زیاد کا محاصرہ کرلیا۔ عبید اللہ نے ہتھیار ڈال دیے مگر وہ پھر بھی قتل ہوگیا۔ اس کا سر بھی اسی قلعے میں مختار ثقفی کے سامنے رکھا گیا۔

اس واقعے کو گزرے ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ مصعب بن زبیر (حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بھائی) کا لشکر مختار ثقفی کو سزا دینے آپہنچا۔ اس کا سر بھی کاٹ کر مصعب بن زبیر کے سامنے کوفے کے قلعے میں رکھا گیا۔

بعدازاں عبد الملک بن مروان نے ایک لشکر جرار روانہ کیا جس نے مصعب بن زبیر کو گھیر لیا۔ بالآخر لشکر کا سپہ سالار مصعب کا سر کاٹنے میں کامیاب ہوگیا اور عبد الملک بن مروان کے سامنے لا رکھا۔

معاملہ اس حد تک پہنچ کر رکا نہیں بلکہ ابو مسلم خراسانی کی قیادت میں پھریرے لہراتے ہوئے اور ٹھاٹھیں مارتے لشکر اموی خاندان کی حکومت کی بساط لپیٹنے اور سلطنت عباسیہ کا اعلان کرنے آدھمکے۔ حملہ آور کامیاب ہوگئے مگر اس کے ساتھ ہی کئی شہر برباد ہوگئے۔ لاکھوں مسلمان صفحۂ ہستی سے مٹا دیے گئے اور ہزاروں ادھر ادھر تتر بتر ہوگئے۔

اصل حقیقت جس کا مسلمانوں کی نئی نسل کو بھی ادراک ہونا چاہیے یہ ہے کہ ایک حکومت گرا کر اس کی جگہ دوسری حکومت قائم کرنا کوئی اتنا اہم کام نہیں۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ امت مسلمہ کو برباد ہونے اور اسے اندر سے کھوکھلا اور شکست خوردہ ہونے سے

بچایا جائے۔ جن سازشوں سے امت کھوکھلی ہوتی ہے، ان اندرونی سازشوں کی کامیابی کی اصل وجہ خواہشات کی غلامی اور کتاب اللہ سے روگردانی ہے۔ دارالسلام بغداد کے دروازے تاتاریوں اور منگولوں کے لیے حکومت مخالف گروہ ہی نے کھولے تھے۔

اسی دور میں مسلمانوں کی دوسری بڑی سلطنت میں فاطمی خانوادے کے مسلمان وزیر نے مسلمانوں کے خلاف صلیبیوں سے تعاون کی درخواست کی تھی۔

ادھر ایک تیسرے مسلمان ملک اندلس کو دیکھ لیں۔ وہاں کے حکمران ایک دوسرے کے خلاف قرب و جوار کے فرنگیوں سے مدد لیتے نہیں شرماتے تھے۔ جس دور میں سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کوفے کے محلے کندہ میں آباد ہوئے اس دور میں اسی طرح کے بہت سارے واقعات گزر رہے تھے۔

ہم اپنے سابقہ سوال کی طرف آتے ہیں کہ صحابہ کی ایک جماعت کوفہ سکونت اختیار کرنے کے لیے کیوں مجبور ہوئی؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کوفے کے بارے میں فرمایا تھا:

"کوفہ: كنز الإيمان (ایمان کا خزانہ ہے)۔

"کوفہ: حجة الاسلام (اسلام کی دلیل ہے)۔

کوفہ: سيف الله ورمحه يضعه حيث شاء (اللہ کی تلوار اور اس کا نیزہ ہے، وہ جہاں چاہتا ہے اسے مارتا ہے)۔

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ تعالیٰ اہل کوفہ کی اسی طرح مشرق و مغرب میں مدد کرے گا جس طرح اس نے حجاز (مدینہ اور مکہ) میں مدد کی۔"[1]

---

[1] معجم البلدان: 4/492.

علی رضی اللہ عنہ کے ان جذبات کی تائید حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے فرمان سے بھی ہوتی ہے، وہ فرماتے ہیں:

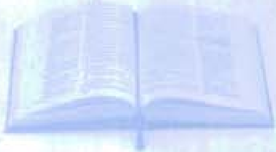
[أَهْلُ الْكُوفَةِ أَهْلُ اللّٰهِ، وَهِيَ قُبَّةُ الْإِسْلَامِ يَحِنُّ إِلَيْهَا كُلُّ مُؤْمِنٍ]

''اہل کوفہ اہل اللہ ہیں۔ اور یہ کوفہ اسلام کا قبہ ہے۔ ہر مومن اس کی طرف کھچا چلا آتا ہے۔''[1]

آج کے اس پرفتن دور میں جہاں ہر طرف لڑائی اور تباہی و بربادی کے جھکڑ چل رہے ہیں، کیا کوفہ اب بھی کنز الإیمان و حجة الاسلام (ایمان کا خزانہ اور اسلام کی حجت) ہے؟ اور کیا آج بھی اہل کوفہ اہل اللہ ہیں؟ بے شک فکری کشاکش کی سنگینی، گمراہ مذاہب اور مکار صہیونیوں کے میڈیا کا اس شہر اور اس کے باسیوں کے فکر کی تبدیلی میں بڑا کردار ہے۔ حقیقت حال اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اور اللہ ہی سیدھے راستے کی راہنمائی کرنے والا ہے۔

[1] معجم البلدان: 4/492.

سیدنا صرمہ بن قیس رضی اللہ عنہ



چوتھی آیت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿ أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ○ ﴾

’’تمھارے لیے روزے کی رات کو اپنی عورتوں کے ساتھ صحبت کرنا حلال کر دیا گیا ہے، وہ تمھارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔ اللہ نے جان لیا کہ بے شک تم اپنے آپ سے خیانت کرتے تھے، چنانچہ اس نے تم پر توجہ فرمائی اور تمھیں معاف کر دیا، اس لیے اب تم ان (بیویوں) سے ہم بستری کر سکتے ہو اور اللہ نے تمھارے لیے جو لکھ رکھا ہے وہ تلاش کرو، اور کھاؤ اور پیو، حتی کہ تمھارے لیے صبح کی سفید دھاری کالی دھاری سے واضح (روشن) ہو جائے، پھر تم روزے کو رات تک پورا کرو اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھو تو اپنی عورتوں سے ہم بستری نہ کرو یہ اللہ کی حدیں ہیں، لہٰذا تم ان کے قریب مت جاؤ، اللہ لوگوں کے لیے اپنی آیتیں اسی طرح بیان فرماتا ہے تاکہ وہ متقی بنیں۔‘‘ [1]

[1] البقرۃ 2:187.



اس آیت کے بارے میں علماء کے اقوال

بعض اہل سیر اور مفسرین نے کہا ہے: یہ آیت ابوقیس صرمہ بن ابی انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

ان اقوال کو جاننے کے لیے دیکھیں:

الاستیعاب: 2/377.

السيرة لابن هشام: 2/130.

سنن أبي داود، حديث: 2314.

نیز صحیح البخاري، حديث: 4508

وجامع الترمذي، حديث: 2968.

صرمہ بن قیس رضی اللہ عنہ کون تھے؟ یہ جاننے کے لیے ہم آپ کو ماضی کے جھروکوں میں لے چلتے ہیں۔

صرمہ بن قیس رضی اللہ عنہ

صرمہ بن ابی انس بن مالک رضی اللہ عنہ صرمہ بن قیس کے نام سے معروف ہیں۔ انھیں صرمہ بن مالک بھی کہا جاتا ہے۔ ان کی کنیت ابو قیس ہے۔ یہ صرمہ کون تھے۔ تاریخ میں ان کا تذکرہ بس اچانک سامنے آتا ہے۔ اور ایسے موقع پر تاریخ میں ان کا تذکرہ ہوا کہ ان کا کام اور کلمات نور کے حروف سے لکھے گئے۔ یہ ایسے شخص تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے سمجھداری عطا فرمائی جس سے انھوں نے حق، ہدایت، نور اور گمراہی کے درمیان فرق پہچانا۔ انھوں نے یثرب (مدینہ منورہ) کی سرزمین پر ببانگ دہل کلمۂ توحید کا اعلان کیا جس سے وادیٔ مدینہ کے کنارے اللہ وحدہ لا شریک کی تسبیح وتحمید کے زمزموں سے گونج اٹھے۔ صرمہ بن ابی انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا تعلق بنو عدی بن نجار سے ہے۔

صرمہ رضی اللہ عنہ کی ولادت مدینہ کے سرسبز میدانوں، میٹھے چشموں اور معطر فضاؤں میں ہوئی۔ کھلی فضا میں پلے بڑھے جہاں قبہ نما بلند و بالا اور صاف شفاف آسمان کا مشاہدہ کرتے جسے کسی بھی ستون کا سہارا نہیں دیا گیا، پھر زمین کی طرف نگاہ کرتے۔

صرمہ رضی اللہ عنہ نے اپنی جوانی اللہ عزوجل کی قدرتوں سے مستفید ہوتے ہوئے گزاری۔ چنانچہ آسمان کے دامن میں بکھرے ہوئے یہ ستارے اور یہ سورج جس کی شعاعیں زمین پر پڑتی ہیں جس سے زمین کو حرارت اور روئیدگی حاصل ہوتی ہے اور یہ چاند جس

کی خوبصورت اور پر سکون روشنی ہر طرف پھیلتی ہے اور یہ میٹھے پانی کے چشمے جو بغیر کسی مشقت یا تکلیف کے زمین سے پھوٹتے ہیں اور نباتات کو سیراب کرتے چلے جاتے ہیں جس سے سبزیاں اور پھل تیار ہوتے ہیں۔ یہ سب کس نے پیدا کیے اور بنائے ہیں؟ اس ساری کائنات کا نظم ونسق کس کے ہاتھ میں ہے؟ اور وہ کونسی ذات ہے جس نے انسان کو بہترین قامت اور خوبصورت اعضاء کے ساتھ پیدا کیا؟ اور کس نے انسان کو کان، آنکھیں اور دل عطا کیا اور جو کچھ یہ نہیں جانتا تھا، اس کی تعلیم دی؟ یہ سب کچھ کرنے والی کون سی ذات ہے؟

کیا اس کائنات کو چلانے اور تمام امور کی تدبیر کرنے والے کعبے میں نصب بت ہیں جن کا وہ لوگ ہر سال حج کرتے، نذریں چڑھاتے، ان کے نام کے جانور ذبح کرتے اور ان بے جان اور سخت پتھروں کو برکت کے لیے چھوتے تھے؟

ان بتوں کا وصف یہ ہے کہ یہ بولتے ہیں نہ کلام کرتے ہیں، نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ یہ تو اتنی بھی طاقت نہیں رکھتے کہ کوئی ان پر زیادتی کرے تو اس کا ہاتھ روک سکیں، کوئی ان سے چھیڑ چھاڑ کرے تو بدلہ لے سکیں۔ محال ہے کہ اتنی بڑی کائنات ان بتوں نے بنائی ہو؟

یہی سوالات صرمہ رضی اللہ عنہ کے ذہن میں بھی صبح وشام گردش کرتے رہتے تھے یہاں تک کہ انھیں حق کی ہدایت مل گئی اور سچی روشنی نصیب ہوگئی۔ اس کے بعد صرمہ رضی اللہ عنہ کا لباس کھردرا ہوگیا، دنیا سے بے رغبتی اختیار کرلی، بتوں سے کنارہ کش ہوگئے اور پاکیزہ زندگی گزارنے لگے۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ ان کے بارے میں بتاتے ہیں: صرمہ رضی اللہ عنہ نے ظہورِ اسلام سے

قبل رہبانیت اختیار کرلی تھی اور ٹاٹ کا لباس پہنتے تھے، بتوں سے کنارہ کش ہوگئے تھے اور جنابت کا غسل بھی کیا کرتے تھے۔ نصرانیت اپنانا چاہتے تھے لیکن باز رہے۔ صرمہ رضی اللہ عنہ نے تہیہ کیا کہ ایسے گھر میں رہیں گے جسے وہ مسجد کا درجہ دیں گے۔ اس گھر میں ان کے پاس حائضہ عورت یا جنبی شخص داخل نہیں ہوگا۔ اور انھوں نے کہا: میں ابراہیم علیہ السلام کے رب کی عبادت کروں گا کسی دوسری شے کو کبھی نہیں پوجوں گا۔

یہ ابراہیم علیہ السلام وہی اولوالعزم پیغمبر ہیں جنھوں نے اپنے باپ سے کہا تھا:

﴿ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ ﴾

"کیا تم بتوں کو معبود ٹھہراتے ہو؟ بے شک میں تمھیں اور تمھاری قوم کو کھلی گمراہی میں پڑے دیکھتا ہوں۔"[1]

یہی ابراہیم علیہ السلام ہی تھے جنھوں نے اپنی قوم کو جو گمراہی میں پڑی ہوئی تھی، توحید کی حقیقت سے روشناس کرانے کے لیے بڑی ہی خوبصورت اور واقعاتی تمثیل پیش کی تھی۔ مثلاً: ستارے کو دیکھ کر فرمایا: ﴿ هٰذَا رَبِّیْ ﴾ "یہ میرا رب ہے۔" ﴿ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ﴾ "جب وہ چھپ گیا تو فرمایا: میں غروب ہونے (چھپ جانے) والے کو پسند نہیں کرتا۔" ﴿ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ﴾ "پھر جب چمکتا ہوا چاند دیکھا تو فرمایا: ﴿ هٰذَا رَبِّیْ ﴾ "یہ میرا رب ہے۔" ﴿ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ ۝ ﴾ "جب چاند بھی غروب ہوگیا تو فرمایا: اگر میرے رب نے مجھے ہدایت نہ دی تو میں یقیناً گمراہوں میں سے ہوجاؤں گا۔" ﴿ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ ﴾ "پھر جب سورج کو

[1] الأنعام 74:6.

(چاند سے بھی زیادہ) روشن دیکھا تو فرمایا: یہ میرا رب ہے کیونکہ یہ (ان دونوں سے) بڑا ہے۔" ﴿فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴾ "پھر جب سورج بھی غروب ہوگیا تو فرمایا: اے میری قوم! میں تمھارے شرک سے بیزار ہوں۔"[1]

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اکیلے نے طاغوت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ کافر اور ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ توحید کا علی الاعلان پرچار کیا۔ کافر نے دھمکی لگائی تو فرمایا: ﴿رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ﴾ "میرا رب ہی زندگی عطا کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔"

ابراہیم علیہ السلام کے اس اعلان سے سرکشی اور بغاوت کرتے ہوئے ظالم نے کہا تھا: ﴿اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ﴾ "میں بھی زندہ کرسکتا اور مار سکتا ہوں۔" سچے رب کی توحید کے متوالے نے رب کے منکر سے فرمایا: ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ﴾ "بے شک میرا رب (ہر صبح) سورج کو مشرق سے لاتا (طلوع کرتا) ہے، تو اسے مغرب سے نکال کر (طلوع کرکے) دکھا۔"

وہ تو اتنی بھی طاقت نہیں رکھتے کہ ایک مکھی پیدا کرسکیں سورج کو مغرب سے طلوع کرنا تو بہت بڑی بات ہے۔

﴿فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ "بالآخر کافر مبہوت ہوگیا اور اللہ بھی ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔"[2]

صرمہ رضی اللہ عنہ ظہورِ اسلام سے قبل ابراہیم علیہ السلام کے رب کی عبادت میں مصروف رہے۔ اس دوران میں ان کی قوم کے لوگ ان سے ٹھٹھا کرتے، باتیں بناتے اور ان پر پاگل پن اور دیوانگی کی تہمتیں لگاتے رہے۔ صرمہ رضی اللہ عنہ ان کے جواب میں کہتے:

---

[1] الأنعام6:76-78. [2] البقرة2:258.

سَبِّحُوا اللّٰهَ شَرْقَ كُلِّ صَبَاحٍ
طَلَعَتْ شَمْسُهُ وَ كُلَّ هِلَالِ

"لوگو! ہر صبح سورج کے طلوع ہوتے وقت اور ہر چاند کے نکلتے وقت اللہ کی پاکیزگی بیان کیا کرو۔"

عَالِمُ السِّرِّ وَالْبَيَانِ لَدَيْنَا
لَيْسَ مَا قَالَ رَبُّنَا بِضَلَالِ

"وہ اللہ جو چھپی اور ظاہر اشیاء کو جاننے والا ہے، ہمارے نزدیک اس کا کہا ہوا حکم غلط نہیں ہوسکتا۔"

وَ لَهُ الطَّيْرُ تَسْتَرِيدُ وَ تَأْوِي
فِي وُكُورٍ مِنْ آمِنَاتِ الْجِبَالِ

"اللہ کے پرندے ہیں جو زمین میں دانہ دنکا چگنے نکلتے ہیں اور شام کو پہاڑوں میں اپنے پرامن گھونسلوں میں پناہ لیتے ہیں۔"

وَلَهُ الْوَحْشُ بِالْفَلَاةِ تَرَاهَا
فِي حِقَافٍ وَ فِي ظِلَالِ الرِّمَالِ

"اور جنگلوں میں رہنے والے جانور بھی اللہ کے ہیں جو غاروں اور ریت کے سایہ دار ٹیلوں میں رہتے ہیں۔"

وَ لَهُ هَوَّدَتْ يَهُودُ وَدَانَتْ
كُلَّ دِينٍ إِذَا ذَكَرْتَ عِضَالِ

''یہود اسی کے لیے (عبادت کرتے ہوئے) گنگناتے ہیں اور انھوں نے ہر دین (راستہ) اختیار کیا جب ان پر مشکلات آن پڑیں۔''

وَلَهُ شَمَّسَ النَّصَارٰى وَ قَامُوا

كُلَّ عِيدٍ لِرَبِّهِمْ وَاحْتِفَالِ

''اسی کے لیے عیسائیوں نے عبادت کی اور انھوں نے اپنے رب کے لیے ہر عید منائی اور محفل سجائی۔''

وَ لَهُ الرَّاهِبُ الْحَبِيسُ تَرَاهُ

رَهْنَ بُؤْسٍ وَ كَانَ نَاعِمَ بَالِ

''اسی اللہ کے لیے راہب نے اپنے آپ کو بند (محبوس) کیا ہوا ہے جس کی حالت بہت پراگندہ ہوچکی ہے، حالانکہ یہی راہب پہلے بہت خوش حال اور نازونعمت والا تھا۔''

يَا بَنِيَّ الْأَرْحَامَ لَا تَقْطَعُوهَا

وَصِلُوهَا قَصِيرَةً مِّنْ طِوَالِ

''اے بیٹو! رشتہ داری کو نہ توڑنا بلکہ اسے ملانا، خواہ قریب کی ہو یا دور کی۔''

وَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي ضِعَافِ الْيَتَامٰى

رُبَّمَا يُسْتَحَلُّ غَيْرُ الْحَلَالِ

''ضعیف اور ناتواں یتیموں کے بارے میں اللہ سے ڈرنا کیونکہ بسا اوقات غیر حلال (حرام) کو حلال سمجھ لیا جاتا ہے۔''

وَاعْلَمُوا أَنَّ لِلْيَتِيمِ وَلِيًّا
عَالِمًا يَهْتَدِي بِغَيْرِ سُؤَالِ

''اور یاد رکھو! بے شک یتیم کا ایک سر پرست ہے جو اس کے حالات سے واقف ہے اور وہ بن مانگے اسے ہدایت سے نواز دیتا ہے۔''

ثُمَّ مَالَ الْيَتِيمِ لَا تَأْكُلُوهُ
إِنَّ مَالَ الْيَتِيمِ يَرْعَاهُ وَالِي

''نیز یتیم کا مال نہ کھانا، اس لیے کہ یتیم کے مال کی اللہ حفاظت کرتا ہے۔''

يَا بَنِيَّ التُّخُومَ لَا تَخْزِلُوهَا
إِنَّ خَزْلَ التُّخُومِ ذُوعِقَالِ

''اے بیٹو! خاندان کے بڑے بزرگوں کا لحاظ رکھنا، ان کی مذمت نہ کرنا، کیونکہ بڑوں کی بے عزتی بری چیزوں میں پھنسنے کا ذریعہ ہے۔''

يَا بَنِيَّ الْأَيَّامَ لَا تَأْمَنُوهَا
وَاحْذَرُوا مَكْرَهَا وَ مَرَّ اللَّيَالِ

''اے بیٹو! اللہ کی سزاؤں سے کبھی بے خوف نہ ہونا۔ ان کی تدبیروں سے دن رات بچنے کی کوشش کرنا۔''

وَ أَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْ
وَى وَ تَرْكِ الْخَنَا وَ أَخْذِ الْحَلَالِ

’’تم نیکی اور تقویٰ کے کام متفق ہو کر کرو، نیز زنا کے ترک اور حلال مال کے حصول پر متفق ہو جاؤ۔‘‘[1]

صرمہ رضی اللہ عنہ کے اشعار بار بار پڑھیں اور دیکھیں کیا یہ توحید کی دعوت پر مبنی نہیں؟ ان اشعار میں انھوں نے اپنے آس پاس رہنے والوں سے اس ذاتِ مقدس کی تسبیح و تقدیس کا مطالبہ کیا ہے جس نے صبح کو روشن بنایا ہے اور سورج اور چاند طلوع کیے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں بتا رہے ہیں کہ وہ رازوں کو جانتا ہے، ہر پوشیدہ شے سے واقف ہے اور وہ دل کے خیالات تک کو جانتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا يَكُونُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ ﴾

’’تین (افراد) کی کوئی سرگوشی نہیں ہوتی مگر وہ (اللہ) ان میں چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ آدمیوں کی مگر وہ (اللہ) ان میں چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم اور نہ زیادہ (کی سرگوشی ہوتی ہے)، مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے، جہاں کہیں بھی وہ ہوں، پھر وہ روزِ قیامت انھیں جتائے گا جو انھوں نے عمل کیے تھے، بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔‘‘[2]

صرمہ رضی اللہ عنہ نے مذکورہ اشعار میں یہ بھی بتلایا ہے کہ کائنات میں جو بھی انسان، جن، پرندے اور حیوانات ہیں یہ سب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ملک ہیں۔ ہر ایک اسی کی تسبیح کرتا ہے اور ہر ایک اس کی مشیت کے تابع ہے۔

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 511/2، والروض الأنف في شرح غريب السير للسهيلي: 362/2.

[2] المجادلة 7:58.

صرمہ رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کو خالق و مالک کا تعارف کروایا، پھر انھیں عمدہ اخلاق اپنانے کی دعوت دی۔ انھوں نے اپنی قوم کو صلہ رحمی کرنے، یتیم کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے اور اس کے مال کی حفاظت کی تلقین کی۔ انھوں نے بتایا کہ دنیا دارِ فانی ہے اور آخرت کا گھر دائمی گھر ہے۔ اسی طرح انسان کے پاس جو مال و دولت ہے وہ سب عارضی ہے ایک نہ ایک دن اس نے ختم ہو جانا ہے۔ اس کی مثال عاریتاً لی ہوئی شے کی ہے جو بالآخر مالک کو واپس کرنی ہوتی ہے۔ لوگو! نیکی اور تقوی اختیار کرو، ہر گھٹیا اور عیب دار بنانے والے اعمال سے بچو، نیز حلال اور پاکیزہ رزق کھانے کا التزام کرو۔

حضرت صرمہ رضی اللہ عنہ اپنی بنائی ہوئی مسجد (عبادت گاہ) میں گوشہ نشین رہے۔ لوگوں کو اچھے اور عمدہ اخلاق اپنانے، گھٹیا اور ردی اخلاق سے دور رہنے کی دعوت دیتے رہے، یہاں تک کہ اسلام کے سفیر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی آواز ان کے کانوں میں پڑی۔ وہ اہل مدینہ کو اسلام کی طرف بلا رہے تھے۔ کامیابی کی صورت میں انھیں جنت کی خوشخبری سنا رہے تھے بشرطیکہ وہ اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت پر لبیک کہیں۔ صرمہ رضی اللہ عنہ نے سنا تو فوراً خوشی خوشی اسلام قبول کر لیا اور دین اسلام کے جانباز سپاہی بن گئے۔

دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد انھیں بہت سے ایسے سوالوں کا جواب مل گیا تھا جو ان کے ذہن میں گردش کرتے رہتے تھے۔ جن کی وجہ سے ان کے دن کا سکون اور راتوں کا چین برباد ہو چکا تھا۔ انھیں ان سوالوں کا جواب کہیں سے نہیں مل رہا تھا۔

ابوقیس صرمہ بن قیس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت اسلام کی پاداش میں کفار قریش کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں کی اپنے اشعار میں یوں منظر کشی کی ہے:

ثَوٰى فِي قُرَيْشٍ بِضْعَ عَشْرَةَ حِجَّةً
يُذَكِّرُ لَوْ يَلْقٰى صَدِيقًا مُوَاتِيًا
وَيَعْرِضُ فِي أَهْلِ الْمَوَاسِمِ نَفْسَهُ
فَلَمْ يَرَ مَنْ يُؤْوِي وَ لَمْ يَرَ دَاعِيًا
فَلَمَّا أَتَانَا أَظْهَرَ اللّٰهُ دِينَهُ
فَأَصْبَحَ مَسْرُورًا بِطَيْبَةَ رَاضِيًا
وَ أَلْفٰى صَدِيقًا وَ اطْمَأَنَّتْ بِهِ النَّوٰى
وَ كَانَ لَنَا عَوْنًا مِّنَ اللّٰهِ بَادِيًا
يَقُصُّ لَنَا مَا قَالَ نُوحٌ لِقَوْمِهِ
وَ مَا قَالَ مُوسٰى إِذَا أَجَابَ الْمُنَادِيَا
فَأَصْبَحَ لَا يَخْشٰى مِنَ النَّاسِ
وَاحِدًا قَرِيبًا، وَلَا يَخْشٰى مِنَ النَّاسِ نَائِيًا
بَذَلْنَا لَهُ الْأَمْوَالَ مِنْ جُلِّ مَالِنَا
وَأَنْفُسَنَا عِنْدَ الْوَغٰى وَالتَّآسِيَا
وَ نَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ لَا شَيْءَ غَيْرُهُ
وَ نَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ أَفْضَلُ هَادِيًا

نُعَادِي الَّذِي عَادٰى مِنَ النَّاسِ كُلِّهِمْ
جَمِيعًا وَ إِنْ كَانَ الْحَبِيبُ الْمُصَافِيَا
أَقُولُ إِذَا أَدْعُوكَ فِي كُلِّ بَيْعَةٍ
تَبَارَكْتَ قَدْ أَكْثَرْتَ لِاسْمِكَ دَاعِيًا
أَقُولُ إِذَا جَاوَزْتُ أَرْضًا مَخُوفَةً
حَنَانَيْكَ لَا تُظْهِرْ عَلَيَّ الْأَعَادِيَا
فَطَأْ مُعْرِضًا إِنَّ الْحُتُوفَ كَثِيرَةٌ
وَإِنَّكَ لَا تُبْقِي لِنَفْسِكَ بَاقِيَا
فَوَاللّٰهِ مَا يَدْرِي الْفَتٰى كَيْفَ يَتَّقِي
إِذَا هُوَ لَمْ يَجْعَلْ لَهُ اللّٰهُ وَاقِيَا

''رسول اللہ ﷺ اپنی قوم قریش میں دس سے زیادہ برس رہے اور انھیں وعظ و نصیحت کرتے رہے اور امید کرتے رہے کہ کاش کوئی ہم خیال دوست مل جائے۔ حج کے مواقع پر بھی آپ ﷺ مختلف قبائل کے پاس جاتے رہے مگر کوئی ایسا شخص نہ ملا جو آپ کو قریش سے پناہ مہیا کرتا یا وہ دین کا داعی بن کر یہ دعوت آگے پہنچاتا۔ پھر جب آپ ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے اپنا دین تمام ادیان پر غالب کردیا جس سے آپ ﷺ کو انتہائی خوشی ملی۔ آپ ﷺ کو دوست بھی مل گئے اور اچھا ٹھکانا بھی میسر آگیا۔

آپ ﷺ تو ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی کھلی مدد تھے۔ آپ کی لائی ہوئی شریعت کوئی انوکھی یا اجنبی چیز نہ تھی بلکہ آپ نے بھی ہمیں وہی باتیں بتائیں جو سیدنا نوح علیہ السلام اپنی قوم کو بتایا کرتے تھے اور وہی باتیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو بتائی تھیں جب انھیں نبوت سے سرفراز کیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ کو ہمارے ہاں تشریف لانے کے بعد لوگوں میں سے کسی کا ڈر اور خوف نہ رہا، نہ کسی قریبی دشمن کا اور نہ دور کے دشمن کا۔ ہم نے بھی آپ ﷺ کی خاطر اپنا حلال مال آپ پر نچھاور کر دیا اور جنگ اور غمخواری کے موقع پر اپنی جانیں بھی پیش کر دیں۔

ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق و مالک، مدبر و رازق نہیں اور ہمیں علم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے اچھی ہدایت دینے والا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے دشمن سے ہماری بھی دشمنی ہے اگرچہ وہ ہمارا کتنا ہی قریبی دوست کیوں نہ ہو۔ میں ہر بار جب آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں تو کہتا ہوں آپ انتہائی بابرکت ہیں اور میں نے آپ ﷺ کے نام لیواؤں کی اکثریت اکٹھی کر لی ہے۔ میں جب کسی خوف والی زمین سے گزرتا ہوں تو کہتا ہوں مجھ پر رحم کر میرے دشمنوں کو مجھ پر غالب نہ کر۔ آپ دوسروں سے اعراض کرتے ہوئے آگے بڑھیے۔ بے شک ہلاکتیں بہت ہیں اور اے مخاطب! بے شک تو اپنے آپ کو بچانے والا کوئی نہیں پائے گا۔ اللہ کی قسم! آدمی کو تو یہ بھی پتہ نہیں کہ وہ کیسے بچ پائے گا جبکہ اس نے اللہ کو اپنا محافظ نہ بنایا ہو۔'' [1]

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 512/2، والبداية والنهاية: 249/3.

حضرت صرمہ رضی اللہ عنہ بہت سمجھدار اور دانا آدمی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حکمت و دانائی ان کی زبان پر جاری کردی تھی۔ سفیان بن عیینہ یحییٰ بن سعید سے نقل کرتے ہیں، انھوں نے کہا: میں نے انصار کی ایک بوڑھی عورت سے سنا وہ کہہ رہی تھی، میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو دیکھا وہ صرمہ بن قیس رضی اللہ عنہ کے ہاں درج ذیل اشعار سیکھنے جایا کرتے تھے:

يَقُولُ أَبُو قَيْسٍ وَأَصْبَحَ نَاصِحًا
أَلَا مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ وَصَاتِي فَافْعَلُوا
أُوصِيكُمْ بِاللّٰهِ وَالْبِرِّ وَالتُّقَى
وَأَعْرَاضِكُمْ وَالْبِرُّ بِاللّٰهِ أَوَّلُ
وَإِنْ قَوْمُكُمْ سَادُوا فَلَا تَحْسُدُونَهُمْ
وَإِنْ كُنْتُمْ أَهْلَ الرِّيَاسَةِ فَاعْدِلُوا
وَإِنْ نَزَلَتْ إِحْدَى الدَّوَاهِي بِقَوْمِكُمْ
فَأَنْفُسَكُمْ دُونَ الْعَشِيرَةِ فَاجْعَلُوا
وَإِنْ نَابَ غُرْمٌ فَادِحٌ فَارْفُقُوهُمْ
وَمَا حَمَّلُوكُمْ فِي الْمُلِمَّاتِ فَاحْمِلُوا
وَإِنْ أَنْتُمْ أَمْلَقْتُمْ فَتَعَفَّفُوا
وَإِنْ كَانَ فَضْلُ الْخَيْرِ فِيكُمْ فَأَفْضِلُوا

''ابوقیس تمھیں نصیحت کرتے ہوئے کہتا ہے: آگاہ رہو! میری وصیتوں پر حتی المقدور عمل کی کوشش کرو۔ میں تمھیں اللہ کی ذات کے متعلق وصیت کرتا ہوں، نیز نیکی اور تقویٰ کے کاموں کی وصیت کرتا ہوں اور تم اپنی عزتوں کی حفاظت کرو۔ اللہ اور نیکی کے کاموں کو اولیت دو۔

اگر تمھاری قوم میں سے تمھارا کوئی سردار ہو تو اس سے حسد نہ کرو اور اگر ریاست کی باگ ڈور تمھارے ہاتھ میں ہے تو تم عدل سے کام لو۔ اگر تمھاری قوم پر کوئی آفت آن پڑے تو ان کے تعاون کے لیے اپنا آپ پیش کر دو۔ اگر تمھارے پاس قرضوں میں جکڑا پریشان حال شخص آجائے تو اس کے ساتھ نرمی سے پیش آنا اور اس کا تعاون کرنا لیکن اس کے مقابلے میں کوئی تم پر حادثات و مصائب میں کچھ تاوان لگائے تو اسے مل کر پورا کرو۔ اگر تم کنگال اور تنگ دست ہو جاؤ تو سوال سے بچنا اور مال کی فراوانی ہے تو زائد مال خرچ کرتے رہنا۔''[1]

حضرت ابوقیس صرمہ بن قیس رضی اللہ عنہ اسلام لانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے اتنے دانا، عقل مند اور حکیم تھے تو جب انھوں نے اسلام قبول کر لیا اور دل نورِ ایمان سے منور ہو گیا تو ان کی حکمت و دانائی کے کیا ہی کہنے تھے؟! اسلام قبول کرنے کے بعد مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ ان کے مناظرے اور مکالمے ہوئے یا نہیں۔ تاریخ میں اس کا ذکر نہیں ملتا، حالانکہ انھی یہودیوں نے خبر دی تھی کہ عنقریب ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو گئے تو خود انھی یہودیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کیا۔

اسی طرح منافقین کے گروہ سے صرمہ رضی اللہ عنہ کا کیا رویہ رہا، اس کا بھی علم نہیں ہو سکا

[1] السيرة النبوية لابن هشام:3/43، وأسد الغابة:3/232.

جبکہ ان سے بھی بحث مباحثے کا قوی امکان تھا؟ یہ منافق لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ دن کو مومن ہیں تو رات کو کافر، اگر رات ایمان قبول کرتے ہیں تو دن کو اس سے انکار کر دیتے ہیں۔ ان کے بارے میں اللہ کا فرمان ہے:

﴿يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝﴾

”وہ اللہ کو اور ان لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں جو ایمان لائے مگر وہ اپنے آپ کے سوا کسی کو دھوکا نہیں دیتے اور (اس بات کا) وہ شعور نہیں رکھتے۔ ان کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے، پس اللہ نے ان کی بیماری بڑھا دی اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اس بنا پر کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔ سن لو! بے شک وہی فساد کرنے والے ہیں لیکن وہ شعور نہیں رکھتے۔“[1]

ہمارے پاس موجود تاریخی دستاویزات اس قسم کا اشارہ نہیں کرتیں کہ حضرت صرمہ رضی اللہ عنہ کا یہودیوں یا منافقوں سے کوئی مباحثہ ہوا ہو، نیز ان کے کسی غزوے میں شریک ہونے کا تذکرہ بھی نہیں ملتا۔ حتی کہ کتب تاریخ ان کی تاریخ وفات بتانے سے بھی قاصر نظر آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی بے بہا رحمت نازل کرے اور انھیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین

[1] البقرۃ 2:9-12.

آیات کی شان نزول

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کا روزہ ہوتا اور افطاری کا وقت ہو جاتا مگر وہ سویا رہ جاتا اور اگر وہ سویا رہ جاتا تو اس کا اگلے دن کا روزہ شروع ہو جاتا۔ اب وہ اٹھ کر رات کا کھانا کھا سکتا تھا نہ سحری کر سکتا تھا حتی کہ اگلے دن شام کو افطاری کرتا۔ حضرت قیس بن صرمہ انصاری رضی اللہ عنہ [1] بھی ایک دن روزے سے تھے۔ افطار کے وقت گھر تشریف لائے اور بیوی سے کھانا طلب کیا۔ بیوی نے نفی میں جواب دیا لیکن ساتھ ہی کہا: میں آپ کے لیے کھانا تلاش کر کے لاتی ہوں۔ قیس بن صرمہ رضی اللہ عنہ دن بھر کام کرتے رہے تھے جس کی بنا پر جلد ہی ان کی آنکھ لگ گئی۔ بیوی واپس آئی اور شوہر کو سوتا دیکھ کر انتہائی افسوس کرنے لگی۔ اگلے دن دوپہر ہی کو قیس بن صرمہ رضی اللہ عنہ بھوک سے نڈھال ہو کر گر گئے اور بے ہوش ہو گئے۔ اس واقعے کی اطلاع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی، تب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ...﴾

"تمھارے لیے روزے کی رات کو اپنی عورتوں کے ساتھ صحبت کرنا حلال (جائز) کر دیا گیا ہے......۔" [2]

---

[1] صرمہ بن قیس رضی اللہ عنہ کا نام بعض روایات میں قیس بن صرمہ آیا ہے۔ زیر نظر روایت میں بھی اسی طرح ہے۔

[2] البقرۃ 2:187۔

اس آیت کے اترنے کے بعد مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، نیز اسی آیت کا بقیہ حصہ بھی نازل ہوا:

﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾

''اور کھاؤ اور پیو، حتی کہ تمھارے لیے صبح کی سفید دھاری کالی دھاری سے واضح (روشن) ہو جائے۔''[1]

سنن نسائی کی روایت میں ہلال بن علاء نے براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے مذکورہ بالا واقعے جیسا واقعہ روایت کیا ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ جب کوئی روزے دار شام کا کھانا کھانے سے پہلے سو جاتا تو اس کے لیے اگلے دن غروب آفتاب تک کھانا پینا حلال نہیں ہوتا تھا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾

''اور کھاؤ اور پیو، حتی کہ تمھارے لیے صبح کی سفید دھاری کالی دھاری سے واضح (روشن) ہو جائے۔''[2]

یہ آیت ابوقیس بن عمرو رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ انھوں نے روزہ رکھا ہوا تھا۔ مغرب کے بعد گھر آئے اور بیوی سے کھانا طلب کیا۔ بیوی نے جواب دیا: آج ہمارے ہاں تو کھانے کو کچھ نہیں! البتہ میں آپ کے کھانے کے لیے کچھ تلاش کرتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ باہر چلی گئیں اور صرمہ رضی اللہ عنہ لیٹ گئے۔ لیٹتے ہی انھیں نیند نے آلیا۔ بیوی کھانا لے کر آئی تو خاوند کو سویا ہوا پایا۔ انھوں نے بیدار کرنے کی کوشش کی مگر (وہ

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 1915، وجامع الترمذي، حديث: 2968. [2] البقرة 2:185.

نہ اٹھے اور) انھوں نے کچھ نہ کھایا اور رات بھوکے ہی بسر کی۔ اگلے دن کا روزہ شروع ہوگیا تھا۔ دوپہر تک تو کام کرتے رہے۔ دوپہر ہوئی تو بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ یہ مذکورہ آیت کے نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔ [1]



[1] صحيح البخاري، حديث: 1915، وسنن النسائي، حديث: 2170.

فوائد و اسباق

ہم اپنے آپ اور قارئین کرام سے پوچھتے ہیں: کیا حضرت صرمہ بن قیس رضی اللہ عنہ اکیلے ہی بتوں سے بیزار تھے اور کیا اکیلے ہی ان کا ٹھٹھا اڑایا کرتے تھے یا ان کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم عطا کی ہوئی تھی؟

تاریخی اعتبار سے پتہ چلتا ہے کہ جزیرہ نمائے عرب میں دین حنیف کی طرف میلان عام تھا اور لوگوں کی ایک جماعت دین حنیف اپنائے ہوئے تھی۔ ابن ہشام رحمہ اللہ نے اپنی سیرت میں ذکر کیا ہے: ابن اسحاق رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ قریش مکہ عید کے روز اپنے ایک بت کے پاس اکٹھے ہوئے۔ اس بت کی وہ بہت تعظیم کرتے تھے۔ اس کے نام کی قربانی کرتے، اس کے پاس اعتکاف کرتے اور اس کا طواف بھی کرتے تھے۔ یہ ان کی سالانہ عید تھی۔ اس موقع پر چار آدمی آپس میں سرگوشی کرتے ہوئے علیحدہ ہو گئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے: آپس میں سچ بولنا اور ایک دوسرے کا راز رکھنا۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہو گیا۔

قوم سے علیحدہ ہونے والے یہ افراد: ورقہ بن نوفل، عبیداللہ بن جحش بن رئاب (ان کی والدہ جناب عبدالمطلب کی بیٹی اُمیمہ تھیں)، عثمان بن حویرث اور زید بن عمرو بن نفیل تھے۔ جب یہ الگ ہو گئے تو ایک دوسرے سے کہنے لگے: اللہ کی قسم! تمھیں

معلوم ہے کہ تمھاری قوم کا کوئی دین مذہب نہیں۔ انھوں نے اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کا دین فراموش کر دیا ہے۔ دوستو! اب تم اپنے لیے کوئی بہتر دین تلاش کرو۔ کیونکہ اس وقت تم بھی کسی دین پر کاربند نہیں ہو۔ یہ کہہ کر چاروں دوست خالص ملت ابراہیم کی تلاش میں مختلف علاقوں میں بکھر گئے۔ [1]

ورقہ بن نوفل نے نصرانیت اختیار کر لی اور اس میں مستحکم ہو گئے۔ عیسائیوں سے بہت سی کتابیں حاصل کیں اور اہل کتاب کے عالم بن گئے۔ الأغانی کے مؤلف ابوالفرج الاصفہانی کا کہنا ہے کہ ورقہ بن نوفل ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے دور جاہلیت میں بتوں سے کنارہ کشی اختیار کی ہوئی تھی۔ وہ دین کی تلاش میں نکلے تھے۔ انھوں نے بہت سی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا، نیز وہ بتوں کے نام کے چڑھاوے اور ذبیحے نہیں کھاتے تھے۔ انھوں نے عبرانی زبان سیکھ لی تھی اور عبرانی میں لکھا بھی کرتے تھے، نیز جتنا اللہ نے مقدر کیا، عبرانی میں انجیل بھی لکھا کرتے تھے۔ ان کے علم و معرفت کا معاملہ ان کی قوم سے پوشیدہ نہیں تھا۔ اسی لیے حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی کے نازل ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ کے پاس لے گئی تھیں تاکہ ان سے وحی کے متعلق معلومات لے سکیں۔ انھوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو مفید معلومات دیں جس سے انھیں تسلی ہو گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی کے نزول کے سلسلے میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 51/2، والسيرة الحلبية: 202/1، والسيرة لابن اسحاق: 95/2.

وحی کا آغاز یوں ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو نیند میں سچے خواب آنے شروع ہوئے۔ آپ ﷺ جو کچھ خواب میں دیکھتے، اس کی تعبیر صبح روشن کی طرح عیاں ہوتی، پھر آپ کو خلوت نشینی محبوب لگنے لگی۔ آپ ﷺ غارِ حراء میں خلوت نشین ہو گئے اور وہیں آپ عبادت بجالاتے تھے۔ آپ وہاں کئی دن گزارتے۔ جب سامان خورونوش ختم ہو جاتا تو گھر تشریف لاتے اور مزید توشہ لے کر چلے جاتے۔ ایک عرصے تک آپ اسی طرح کرتے رہے حتی کہ آپ کے پاس حق (نبوت کا پیغام) آ گیا۔ اس وقت بھی آپ غار حراء میں تھے جب فرشتہ پہلی وحی لے کر آیا۔ اس فرشتے نے کہا: اِقْرَأْ ''پڑھیے'' آپ ﷺ نے فرمایا: مَا أَنَا بِقَارِئٍ ''میں تو پڑھا ہوا نہیں۔'' آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ فرشتے نے مجھے پکڑ کر زور سے بھینچا حتی کہ مجھے شدید تکلیف ہوئی، پھر فرشتے نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: اِقْرَأْ ''پڑھیے۔'' میں نے کہا: مَا أَنَا بِقَارِئٍ ''میں پڑھا ہوا نہیں۔'' فرشتے نے پھر مجھے پکڑ کر زور سے دبایا جس سے مجھے سخت تکلیف ہوئی۔ فرشتے نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: اِقْرَأْ ''پڑھیے'' میں نے پھر کہا: مَا أَنَا بِقَارِئٍ ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔'' فرشتے نے مجھے تیسری بار پکڑا اور انتہائی زور سے دبایا حتی کہ مجھے تکلیف ہونے لگی، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝﴾

''اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا۔ اس نے انسان کو جمے (رحم مادر کے ساتھ چمٹے) ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھیے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے۔ وہ ذات جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ اس نے انسان کو

وہ علم سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔‘‘ [1]

رسول اللہ ﷺ فرشتے سے پہلی وحی سن کر واپس گھر تشریف لے آئے۔ اس وقت آپ پر کپکپی طاری تھی۔ آپ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور فرمایا: «زَمِّلُونِي، زَمِّلُونِي» ’’مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھادو۔‘‘ گھر والوں نے آپ کو چادر اوڑھا دی اور آپ ﷺ آرام سے لیٹے رہے یہاں تک کہ آپ کے دل سے ڈر اور خوف جاتا رہا۔ تب آپ ﷺ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کو پوری خبر بتائی اور فرمایا: مجھے اپنی جان کا خدشہ ہے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ایسی بات ہرگز نہیں، آپ مطمئن رہیں اور خوش ہوجائیں۔ اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی بے یارو مددگار نہیں چھوڑے گا۔ آپ تو صلہ رحمی کرنے والے، سچی بات کرنے والے، دوسروں کا بوجھ اٹھانے والے، تنگ دستوں کو کما کر دینے والے، مہمان نواز اور حق کے کاموں میں دوسروں کی مدد کرنے والے ہیں۔

اس کے بعد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ وہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچیرے بھائی تھے۔ انھوں نے جاہلیت میں نصرانیت اپنالی تھی۔ وہ عبرانی جانتے تھے اور جس قدر اللہ نے چاہا انھوں نے عبرانی میں انجیل بھی لکھی۔ اب وہ عمر رسیدہ اور نابینا ہو گئے تھے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا: بھائی جان! اپنے بھتیجے کی بات سنیں۔ ورقہ نے پوچھا: بھتیجے! آپ نے کیا دیکھا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا، ورقہ کو اس سے آگاہ کر دیا۔ ورقہ نے کہا: یہ وہی ناموس (فرشتہ) ہے جسے اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتارا تھا۔ کاش! میں اس وقت جوان اور توانا ہوتا،

[1] العلق 96:1-5.

اے کاش! میں اس وقت تک زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو مکہ سے نکال دے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: کیا یہ لوگ مجھے میرے شہر سے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا: جی ہاں! آپ کے پیغام جیسا جو بھی پیغام لایا ہے، اس سے دشمنی ہی کی گئی ہے۔ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو ضرور آپ کی بھرپور مدد کروں گا۔

اس کے تھوڑی دیر بعد ورقہ فوت ہوگئے اور وحی بھی کچھ مدت کے لیے رک گئی۔ [1]

دوسرا شخص عبید اللہ بن جحش گومگو کی کیفیت میں رہا حتی کہ جب اسلام کی دعوت پھیلی تو مسلمان ہوگیا۔ پھر مسلمانوں کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی مگر وہاں جا کر عیسائی ہوگیا اور اسی حالت میں موت آگئی۔ [2]

تیسرا شخص عثمان بن حویرث تھا۔ وہ روم کے بادشاہ قیصر کے پاس چلا گیا۔ وہاں اس نے نصرانیت اختیار کرلی اور بادشاہ کے ہاں مقام ومرتبہ پایا۔

چوتھے دوست زید بن عمرو بن نفیل تھے۔ یہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے چچا اور عشرہ مبشرہ میں سے مشہور صحابی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے والد ہیں۔ انھوں نے زمانہ جاہلیت ہی میں بتوں سے کنارہ کشی کی ہوئی تھی۔ بتوں کے نام پر ذبح شدہ جانور کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔ قریش غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے تو انھیں اکثر اس حرکت سے روکا کرتے تھے اور کہتے تھے: اے قریش کی جماعت! بھلا غور کرو اور بتاؤ کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا، اسی نے زمین سے چارا اگایا، اسی نے بکری پیدا کی جو اس کے اگائے ہوئے چارے کو کھاتی ہے۔ مگر تم اسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کردیتے ہو؟ تمھیں عقل وشعور نہیں ہے؟! [3]

---

[1] صحیح البخاري، حدیث: 3. [2] المعجم الکبیر للطبراني: 53/17، والمستدرك للحاکم: 20/4. [3] صحیح البخاري، حدیث: 3826.

زید بن عمرو بن نفیل کائنات کے رازوں کے متعلق سوچا کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے: زندگی کا آغاز کیسے ہوا اور اس کی انتہا کیا ہے؟ نیز کائنات کی یہی شکل وصورت کیوں ہے، یہ کسی اور ہیئت میں کیوں نہیں؟ اس طرح کے دیگر بہت سے سوالات تھے جو ان کے ذہن میں گردش کرتے رہتے تھے۔

آخر کار انھوں نے شام کی طرف رخت سفر باندھا تا کہ وہاں کوئی ایسا شخص مل جائے جس سے دین حنیف کے بارے میں پوچھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ شام میں انھیں ایک یہودی عالم ملا۔ انھوں نے اس سے ان کے دین کے متعلق دریافت کیا اور کہا: میں بھی تمھارا دین اپنانا چاہتا ہوں۔

یہودی عالم: تم اللہ کا غضب حاصل کیے بغیر ہمارے دین میں داخل نہیں ہوسکتے۔

زید بن عمرو بن نفیل: میں اللہ کے غضب ہی سے تو بچنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ میں اللہ کا تھوڑا سا غضب بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ کیا تم ایسے دین کے متعلق بتا سکتے ہو جس میں یہ قباحت نہ ہو؟

یہودی عالم: میرے خیال میں وہ دین، دین حنیف ہوسکتا ہے۔

زید بن نفیل: دین حنیف کونسا دین ہے؟

یہودی عالم: ابراہیم (علیہ السلام) کا دین۔

زید بن عمرو بن نفیل اس کے ہاں سے چلے آئے اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ پھر وہ ایک عیسائی عالم کے پاس آئے۔ اس سے بھی وہی بات پوچھی جو یہودی عالم سے پوچھی تھی۔

نصرانی عالم: تم ہمارے دین میں اللہ کی لعنت حاصل کیے بغیر داخل نہیں ہوسکتے۔

زید بن عمرو بن نفیل: میں اللہ کی لعنت اور اس کا غضب نہیں اٹھا سکتا۔ کیا تم کسی ایسے دین کی طرف راہنمائی کر سکتے ہو جس میں یہ مصیبتیں نہ ہوں؟ اس نے بھی وہی جواب دیا جو یہودی عالم نے دیا تھا۔

عیسائی عالم: ایسا دین صرف دین حنیف ہو سکتا ہے۔

زید دونوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر چلے آئے۔ ان دونوں عالموں نے متفقہ طور پر جس دین ابراہیم کی خبر دی تھی، زید بن عمرو بن نفیل اسی دین پر راضی ہو گئے تھے۔ واپسی پر جب مکہ کے باہر پہنچے تو انھوں نے ہاتھ بلند کر کے کہا:

«اَللّٰھُمَّ! إِنِّي عَلٰی دِینِ إِبْرَاهِيمَ»

''اے اللہ! بے شک میں ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہوں۔''[1]

[1] صحيح البخاري، حديث: 3827، ودلائل النبوة للبيهقي: 123/2.

سیدنا ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ

پانچویں آیت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيۡنَ خُلِّفُوۡا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ وَضَاقَتۡ عَلَيۡهِمۡ اَنۡفُسُهُمۡ وَظَنُّوۡۤا اَنۡ لَّا مَلۡجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيۡهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيۡهِمۡ لِيَتُوۡبُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ۝﴾

''اور ان تین افراد پر بھی (مہربانی فرمائی) جنھیں (حکم الٰہی کے انتظار میں) چھوڑ دیا گیا تھا، حتیٰ کہ جب زمین فراخی کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی جانیں (بھی) ان پر تنگ ہو گئیں اور انھوں نے سمجھا کہ اللہ (کے غضب) سے خود اس کے سوا ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں، پھر اللہ نے ان پر مہربانی کی تاکہ وہ توبہ کریں۔ بے شک اللہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''[1]



[1] التوبة 9:118.

چھٹی آیت

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○﴾

”اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور ان کے پاس اپنے سوا کوئی گواہ نہ ہوں، تو ان میں سے ایک کی شہادت اس طرح ہوگی کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک وہ سچوں میں سے ہے۔ اور پانچویں بار یہ کہے: اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔“ [1]



[1] النور24:6،7.

آیات کی شانِ نزول کے متعلق علماء کے اقوال

① صحیحین اور احادیث کی دیگر کتب میں سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی وضاحت موجود ہے کہ سورۂ توبہ کی مذکورہ آیت ہمارے، یعنی کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم [1] کے بارے میں اتری۔ ملاحظہ کیجیے:

صحيح البخاري، حديث:3889، 4676، 4677.

صحيح مسلم، حديث:2769.

سنن أبي داود، حديث:2202.

مسند أحمد:3/456.

② بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیات ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ اس کے لیے حسب ذیل تفاسیر میں دیکھیے سورۃ النور مذکورہ آیات کی تفسیر:

تفسير الطبري:10/267، 18/66.

الدر المنثور:5/23.

تفسير ابن كثير:3/267.

[1] اس مقام پر مؤلف نے صرف ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے کیونکہ دوسری آیت کی شانِ نزول بھی انھی سے متعلق ہے جبکہ سیدنا کعب بن مالک اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم کا ذکر دوسرے مقام پر کیا گیا ہے۔

اور أسباب النزول للواحدي، ص:329.

یہ ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کون تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کیا؟ آیئے! ان کے حالات اور مناقب جاننے کے لیے تاریخ کی ورق گردانی کرتے چلتے ہیں۔



سیدنا ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ

ہلال بن اُمیہ رضی اللہ عنہ کون تھے؟ ان کا بچپن اور جوانی کیسے گزری؟ یہ کلمہ توحید کا اقرار اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کر کے کب اسلام میں داخل ہوئے؟ تاریخ میں ان کے یہ حالات محفوظ نہیں، البتہ اتنا ضرور ہے کہ مسلمانوں کی فوج کے ایک سپاہی تھے جو اللہ کے دین میں داخل ہو چکے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں دو جگہ آیات اتاری ہیں۔ ایک وہ موقع جب یہ غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے اور اس میں شریک نہ ہو سکے تھے۔

دوسرا وہ موقع جب انھوں نے اپنی بیوی پر شریک بن سحمان کے ساتھ تہمت لگائی تھی۔

ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ غزوۂ تبوک سے کیوں پیچھے رہ گئے تھے اور وہ کون سے اسباب تھے جن کی بنا پر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ جا سکے؟

ان سوالوں کے جوابات سے پہلے ہم غزوۂ تبوک کے بعض پہلوؤں پر کچھ روشنی ڈالتے ہیں جن کی مدد سے مذکورہ سوالوں کے جوابات بآسانی مل جائیں گے۔

موقعة بدر الكبرى

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رومیوں سے لڑائی کی تیاری کا حکم دیا۔ یہ وہ حالات تھے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خاصے تنگ دست تھے۔ شدید گرمی کا موسم تھا اور قحط سالی بھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس سفر کے بارے میں اشارات کے بجائے واضح الفاظ میں بتادیا تھا کہ سفر انتہائی کٹھن ہے، لہٰذا خوب اچھی طرح تیاری کرلو۔

مالدار اور صاحب حیثیت صحابہ رضی اللہ عنہم کو اللہ کے راستے میں زیادہ سے زیادہ مال خرچ کرنے اور سواریاں مہیا کرنے کی ترغیب دلائی۔ انھوں نے اللہ کے راستے میں خوب مال خرچ کیا۔ بہت سارے مالداروں نے دیگر افراد کو بھی ساتھ لے جانے کے لیے سواریاں پیش کیں اور اللہ سے اجر کی امید پر بڑی محنت اور لگن سے تیاری میں مصروف رہے۔

اس موقع پر سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے بہت بڑی رقم رسول اللہ ﷺ کی جھولی میں ڈالی۔ اتنی ساری رقم شاید ہی کسی نے خرچ کی ہو۔

عثمان رضی اللہ عنہ کے اس ایثار کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی زبانِ صادق و مصدوق سے عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں رضامندی کا سرٹیفیکیٹ جاری ہوتا ہے:

«اَللّٰهُمَّ! ارْضَ عَنْ عُثْمَانَ، فَإِنِّي عَنْهُ رَاضٍ»

''اے اللہ! تو میرے عثمان سے راضی ہو جا، میں بھی اس سے راضی ہوں۔''[1]

اس موقع پر کچھ مسلمان روتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کا تعلق انصار اور دیگر قبائل سے تھا اور یہ سات افراد تھے۔ یہ حاجت مند تھے اور رسول اللہ ﷺ سے سواری کے جانور طلب کرنے آئے تھے تاکہ وہ بھی جنگ

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 161/4، والبداية والنهاية: 7/5.

میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جاسکیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:
﴿لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ﴾ ”تمھارے لیے میرے پاس کوئی سواری نہیں۔“
﴿تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ﴾ ”وہ آپ سے یہ جواب سن کر ایسی حالت میں واپس جاتے ہیں کہ ان کی آنکھیں آنسو بہا رہی ہوتی ہیں، اس وجہ سے کہ ان کے پاس اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں۔“[1]

حسب طاقت جنگ کی تیاری مکمل ہوگئی اور رسول اللہ ﷺ اپنے جان نثاروں کے جلو میں روانہ ہوگئے۔ کچھ مسلمان رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ گئے اور وہ آپ کے ساتھ نہ جاسکے۔ یہ لوگ کسی شک یا نفاق کی وجہ سے نہیں بلکہ بلاوجہ ہی جنگ میں شریک نہ ہوسکے تھے۔ ان میں سے ایک سیدنا کعب بن مالک بن ابی کعب رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کا تعلق بنوسلمہ سے تھا۔

دوسرے سیدنا مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کا تعلق بنوعمرو بن عوف سے تھا۔

تیسرے سیدنا ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کا تعلق بنو واقف سے تھا۔ اسی طرح بنو سالم بن عوف سے حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ بھی جنگ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ یہ سب حضرات سچے ایمان والے تھے۔ ان کے اسلام میں کوئی شک نہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے رفقائے گرامی رضی اللہ عنہم کی روانگی کو کچھ دن گزر چکے تھے کہ اچانک ایک دن ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ کو خیال آیا کہ اس شدت کی گرمی، دھوپ اور لو میں اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول ﷺ سفر کریں اور ابوخیثمہ اپنے گھر میں بیویوں اور بچوں اور نعمتوں سے لطف اندوز ہو یہ انصاف کی بات تو نہ ہوئی۔ اس خیال کا آنا تھا کہ جلدی

[1] التوبة 92:9.

سے تیار ہوئے اور اکیلے ہی رسول اللہ ﷺ کے پیچھے چل دیے۔ اللہ کے رسول ﷺ تبوک کے مقام پر پہنچ چکے تھے۔ اور وہیں اقامت گزیں تھے۔ ایک دن صحابہ رضی اللہ عنہم نے دور سے گرد وغبار اٹھتا دیکھا تو کہنے لگے: کوئی سوار آرہا ہے!! رسول اللہ ﷺ کو پتا چلا تو آپ ﷺ نے فرمایا: «كُنْ أَبَا خَيْثَمَةَ» ''اللہ کرے آنے والا ابوخیثمہ ہو۔'' جب وہ ذرا قریب آگئے تو صحابہ نے کہا: اللہ کی قسم! وہ ابوخیثمہ ہی ہیں۔ ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ پہنچے، اونٹ بٹھایا اور سیدھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ کو سلام کیا۔ آپ نے جواب دیا اور پوچھا: ابوخیثمہ! خیر تو ہے؟ ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ نے ساری بات بتادی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کچھ بات چیت کی اور دعا دی۔[1] اس واقعے کے بارے میں ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ کے اشعار بھی ہیں جو یہ ہیں: ؎

لَمَّا رَأَيْتُ النَّاسَ فِي الدِّينِ نَافَقُوا
أَتَيْتُ الَّتِي كَانَتْ أَعَفَّ وَ أَكْرَمَا
وَ بَايَعْتُ بِالْيُمْنَى يَدِي لِمُحَمَّدٍ
فَلَمْ أَكْتَسِبْ إِثْمًا وَ لَمْ أَغْشِ مُحَرَّمًا
تَرَكْتُ خَضِيبًا فِي الْعَرِيشِ وَ صِرْمَةً
صَفَايَا كِرَامًا بُسْرُهَا قَدْ تَحَمَّمَا
وَ كُنْتُ إِذَا شَكَّ الْمُنَافِقُ أَسْمَحَتْ
إِلَى الدِّينِ نَفْسِي شَطْرَهُ حَيْثُ يَمَّمَا

[1] صحیح مسلم، حدیث: 2769، ومعجم الکبیر للطبرانی: 272/5، وتاریخ الإسلام للذہبی: 633/2.

”جب میں نے لوگوں کو دین کے معاملے میں منافقت کرتے دیکھا تو میں نے وہ راستہ اپنایا جو زیادہ پاکیزہ اور زیادہ باعزت تھا۔“

”میں نے محمد ﷺ کے ہاتھ پر اپنے دائیں ہاتھ سے بیعت کی ہے، چنانچہ اس کے بعد سے میں نے کوئی گناہ نہیں کمایا اور نہ حرام کا ارتکاب کیا ہے۔“

”میں اپنی رہائش گاہ میں مہندی سے آراستہ بیویاں، صاف ستھری کھجوریں اور سرخی مائل انگور چھوڑ آیا ہوں۔“

”جب منافق آدمی شک میں مبتلا ہوتا ہے تو میں اپنے آپ کو دین کی طرف لے چلتا ہوں وہ مجھے جہاں بھی لے جائے۔“[1]

ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ نے انتہائی شاندار کردار ادا کیا مگر ان کے ساتھی اور دوست ہلال بن امیہ نے ایسا کیوں نہ کیا؟ حالانکہ یہ بات ثابت ہے کہ وہ نیک اور متقی انسان تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتے تھے اور آپ کے حکم پر جان چھڑکتے تھے، پھر ایسی کون سی رکاوٹ حائل ہوگئی کہ وہ غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہوسکے تھے؟ تاریخی روایات سے پتا چلتا ہے کہ اس جنگ کے موقع پر ان کے پاس مال بھی وافر تھا اور سفر کے لیے سواری بھی موجود تھی۔ غرضیکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جانے میں کوئی امر مانع نہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لے آئے تو آپ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ ان پیچھے رہنے والوں سے کسی قسم کی کوئی بات نہیں کرنی۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ (کو پیغام ملا تو انھوں) نے ساتھیوں سے پوچھا کہ جو سزا میرے لیے تجویز ہوئی ہے کیا کسی اور کو بھی یہ سزا ہے۔ لوگوں نے بتایا: دو شخص اور ہیں۔ انھوں نے بھی رسول اللہ ﷺ

[1] السیرۃ النبویۃ لابن ھشام: 201/5، والبدایۃ والنھایۃ: 12/5.

کے سامنے وہی بیان دیا ہے جو آپ نے دیا تھا اور ان سے وہی کچھ کہا گیا ہے جو آپ سے کہا گیا تھا۔ کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پھر میں نے پوچھا: وہ کون کون ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا: مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ (رضی اللہ عنہما)۔ یہ دونوں نیک ہی نہیں بلکہ نیکی میں قابل عمل نمونہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہم تینوں سے کلام کرنے کی ممانعت فرما دی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بجا آوری میں ہم سے قطعاً کلام نہیں کرتے تھے۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ صحابہ ہمیں پہچانتے ہی نہیں۔ [1]

سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اپنے حالات بیان کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں: جنگ تبوک سے پیچھے رہنے کی وجہ سے ہمیں جو مشکلات پیش آئیں، ان پر ہمیں چالیس دن گزر گئے۔ ایک دن اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد آیا اور کہنے لگا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ تم اپنی بیویوں سے علیحدگی اختیار کر لو۔ میں نے فوراً پوچھا: بیوی کو طلاق دے دوں یا کیا کروں؟ قاصد نے کہا: طلاق نہیں دینی، بس ان سے علیحدہ رہیں، قریب نہ جائیں۔ یہی پیغام میرے دوسرے دونوں ساتھیوں کو بھی ملا تھا۔ [2]

میں نے اپنی بیوی سے کہا: اللہ کا فیصلہ آنے تک اپنے گھر والوں (والدین) کے پاس رہ لو۔ ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کو جب بیوی سے علیحدگی کا حکم ملا تو ان کی اہلیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی: اللہ کے رسول! ہلال بن امیہ بہت بوڑھے ہو چکے ہیں، ان کی خدمت کرنے والا بھی کوئی نہیں۔ کیا آپ ناپسند کرتے ہیں کہ میں ان کی خدمت بجا لاؤں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں تو چاہتا ہوں کہ ان کی خدمت کی جائے لیکن وہ

[1] صحيح مسلم، حديث:2769، ومسند أحمد:387/6. [2] صحيح البخاري، حديث:3889، وسنن النسائي، حديث:3454، ومسند أحمد:459/3.

تمھارے قریب نہ آئیں۔" ہلال رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کہنے لگیں: وہ تو میرے پاس آنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے۔ اللہ کی قسم! جب سے یہ جرم سرزد ہوا ہے وہ روتے ہی رہتے ہیں۔ اب تو مجھے ان کی بینائی ختم ہو جانے کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔[1]

درحقیقت یہ تو رجوع إلی اللہ اور توبہ کے آنسو تھے، یہ تو رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ جانے اور جلدی عذر قبول نہ ہونے کے آنسو تھے، یہ تو نفس انسانی کا ایک فطری احساس تھا۔ انھوں نے محسوس کر لیا تھا کہ انھوں نے اپنے نفس، اپنے رسول ﷺ اور اپنے رب کے حق میں غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ جب انھیں غلطی کا بھرپور احساس ہو گیا تو اللہ کریم نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ بے شک وہی توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○﴾

"یقیناً اللہ نے نبی اور ان مہاجرین و انصار پر مہربانی فرمائی جنھوں نے تنگی کی گھڑی میں آپ کی پیروی کی، بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل بہک جانے کو تھے، پھر اللہ نے ان پر مہربانی فرمائی۔ بے شک وہ ان پر بہت شفقت کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اور ان تین افراد پر بھی (مہربانی فرمائی) جنھیں (حکم الٰہی کے انتظار میں) چھوڑ دیا گیا تھا، حتی کہ جب زمین

[1] صحيح البخاري، حديث:4418، وصحيح مسلم، حديث:2769.

فراخی کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں (بھی) ان پر تنگ ہوگئیں، اور انھوں نے سمجھا کہ اللہ (کے غضب) سے خود اس کے سوا ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں، پھر اللہ نے ان پر مہربانی کی تاکہ وہ توبہ کریں۔ بے شک اللہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''[1]

یہ وہ پہلا مقام ہے جس میں ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ اور ان کے دو ساتھیوں کے غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے اور ان کی توبہ قبول ہو جانے کے بارے میں قرآن نازل ہوا۔

دوسرا مقام جس میں ہلال رضی اللہ عنہ کے بارے میں نزولِ قرآن کا تذکرہ ہے، اس کے متعلق امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا: جب سورۂ نور کی حسبِ ذیل آیت اتری:

﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا﴾

''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، پھر وہ چار گواہ نہیں لاتے، تو تم انھیں اَسّی کوڑے مارو اور تم ان کی شہادت (گواہی) کبھی قبول نہ کرو۔''[2]

تو انصار کے سردار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا یہ آیت اسی طرح نازل ہوئی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ! أَلَا تَسْمَعُوْنَ مَا يَقُوْلُ سَيِّدُكُمْ؟»

''انصار کی جماعت! تمھارے سردار نے جو کہا ہے کیا تم نے نہیں سنا؟''

انصار نے کہا: اللہ کے رسول! آپ انھیں ملامت نہ کریں۔ وہ بڑے غیور ہیں۔

[1] التوبة 9:117، 118۔ [2] النور 24:4۔

اللہ کی قسم! انھوں نے ہمیشہ باکرہ عورت سے شادی کی ہے اور اگر کسی عورت کو طلاق دی ہے تو ان کی اسی غیرت کی وجہ سے کسی کو ان کی طلاق یافتہ عورت سے شادی کی جرأت نہیں ہوئی۔

سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! میں جانتا ہوں کہ یہ آیت برحق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی نے اسے اتارا ہے لیکن میرا تعجب اس بات پر تھا کہ اگر میں کسی کم ذات کمینی عورت کو دیکھوں کہ کوئی غیر مرد اس کی رانوں پر سوار ہے تو کیا میرے لیے روا نہیں کہ میں اسے کچھ کہوں حتی کہ چار گواہ اکٹھے کروں۔ اللہ کی قسم! میرے گواہ لانے تک تو وہ اپنی نفسانی خواہش پوری کر لے گا۔

اس کے بعد تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ (ایک دن) سیدنا ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ، یہ وہ صحابی ہیں جو غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں میں سے ایک تھے اور اللہ نے ان کی توبہ قبول کی تھی، آئے اور کہنے لگے: میں اپنی زمین (کھیت وغیرہ) سے رات کے وقت آیا تو دیکھا کہ میری گھر والی کے ساتھ کوئی اجنبی مرد ہے۔ میں نے اسے دیکھ بھی لیا اور اس کی باتیں اپنے کانوں سے سن بھی لیں مگر اسے کہا کچھ نہیں۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اللہ کے رسول! میں رات کو اپنے گھر آیا تو اپنی بیوی کے ساتھ ایک اجنبی مرد دیکھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ لیا تھا اور اس کی آواز بھی سن لی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال رضی اللہ عنہ کی بات کو ناپسند کیا۔ اس خبر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش نہیں ہوئے بلکہ آپ پر یہ بات گراں گزری۔ ہلال کی خبر سن کر انصار بھی آگئے اور کہنے لگے: سعد بن عبادہ نے جو کہا تھا ہم اسی کی پکڑ میں آگئے ہیں۔ لوگ خیال کرنے لگے

کہ رسول اللہ ﷺ اب ہلال کو کوڑے مروائیں گے اور ان کی گواہی باطل قرار دیں گے۔

ادھر ہلال رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! مجھے بہت امید تھی کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس آزمائش سے نکالے گا، لہٰذا انھوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں نے محسوس کیا ہے کہ میری خبر سے آپ کو ناگواری ہوئی ہے مگر اللہ جانتا ہے کہ میں سچا ہوں۔

اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ انھیں کوڑے مارنے کا حکم دینے ہی والے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر وحی اتار دی:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ ﴾

”اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور ان کے پاس اپنے سوا کوئی گواہ نہ ہوں، تو ان میں سے ایک کی شہادت اس طرح ہوگی کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک وہ سچوں میں سے ہے۔ اور پانچویں بار یہ کہے: اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔“[1]

ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ حادثہ کب پیش آیا؟ غزوۂ تبوک سے پہلے یا بعد؟ نیز ان کی کس بیوی کے ساتھ یہ حادثہ ہوا تھا؟ غالب گمان یہی ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ تبوک سے پہلے کا ہے کیونکہ تبوک کے موقع پر ہلال رضی اللہ عنہ بوڑھے ہو چکے تھے جن کے لیے چلنا پھرنا دوبھر تھا، نیز انھیں اس عمر میں عورتوں کی خواہش بھی نہیں رہی تھی جیسا کہ ان کی اہلیہ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کا اظہار کیا تھا۔[2] دوسرا سوال یہ تھا

[1] مسند أحمد: 238/1، ومسند أبي يعلى: 124/5، حديث: 2740. [2] صحيح البخاري، حديث: 4418، وصحيح مسلم، حديث: 2769.

کہ ان کی کون سی بیوی کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ ان کی ایک بیوی فُرَیعہ بنت مالک بن دخشم تھیں۔

ابن اسحاق کے بقول ان کے والد مالک بن دخشم رضی اللہ عنہ بیعت عقبہ میں حاضر ہوئے تھے، اسی طرح وہ غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے۔ بدر کے دن سہیل بن عمرو کو انھوں نے ہی قید کیا تھا۔ وہ اس کے بارے میں یہ شعر بھی کہتے تھے ؎

أَسَرْتُ سُهَيْلًا فَلَا أَبْتَغِي
أَسِيرًا بِهِ مِنْ جَمِيعِ الْأُمَمْ
وَ خِنْدِفُ تَعْلَمُ أَنَّ الْفَتَى
فَتَاهَا سُهَيْلٌ إِذَا يَظَّلِمْ
ضَرَبْتُ بِذِي الشَّفْرِ حَتَّى انْثَنَى
وَ أَكْرَهْتُ نَفْسِي عَلَى ذِي الْعَلَمْ

''میں نے سہیل بن عمرو کو قید کیا ہے اور میں اس کے بدلے میں کسی قوم سے کوئی قیدی نہیں لوں گا۔''

''خندف کو معلوم ہے کہ جوان تو اس کا جوان سہیل ہی ہے جبکہ وہ ظلم کرتا ہے۔''

''میں نے تلوار سے وار کیا حتی کہ وہ ٹیڑھی ہوگئی اور میں نے اپنے آپ کو عَلَم بردار پر گراں بنا دیا۔''[1]

سیدنا مالک بن دخشم رضی اللہ عنہ ہی وہ صحابی ہیں جنھیں رسول اللہ ﷺ نے مَعن بن عدی

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 649/2، والسيرة النبوية لابن كثير: 481/2.

کے ساتھ مسجد ضرار گرانے اور اسے جلانے کے لیے بھیجا تھا۔ مالک بن دخشم رضی اللہ عنہ سچے مسلمان، مجاہد فی سبیل اللہ اور دین کے داعی تھے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مالک بن دخشم کا تذکرہ کیا تو ان کے بارے میں نازیبا الفاظ کہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي» ''تم میرے صحابہ کے بارے میں ناشائستہ زبان استعمال نہ کرو۔''[1]

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک مجاہد اور دین کے سچے داعی کی بیٹی اس طرح کے برے عمل کا ارتکاب کرسکتی ہے؟ خاص طور پر جب اس بچی کی تربیت ایمان، تقویٰ، جہاد اور شہادت کے متوالے گھرانے میں ہوئی ہو تو کیا وہ غلط کام کرے گی؟

ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی اگر اس بیوی کے ساتھ یہ واقعہ پیش نہیں آیا تو کیا پھر کوئی دوسری بیوی ہوگی۔ جی ہاں! ان کی ایک اور بیوی بھی تھی۔ اس کا نام ملیکہ تھا۔ اس کا باپ مدینہ کے منافقین کا سرغنہ عبداللہ بن ابی ابن سلول تھا۔ اسی ظالم نے سیدہ طاہرہ صدیقہ بنت صدیق ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر جھوٹی تہمت لگائی تھی، پھر اس بہتان کی خوب تشہیر کی تھی۔ اس تہمت کے پیچھے اس کا مقصد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عزت کو داغ دار کرنا تھا اور اسلامی تحریک کی اخلاقی حیثیت کو متاثر کرنا تھا۔

اسی ابن ابی نے بدکاری کے پیشے کے لیے بہت سی لونڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ ان کی کمائی بھی کھاتا تھا۔ ان لونڈیوں میں سے ایک نے اسلام قبول کرنے کے بعد اس پیشے سے توبہ کرنی چاہی تو اس منافق نے اس پر تشدد کیا۔ وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے

[1] صحيح البخاري، حديث:3673، ومسند البزار:2/342، حديث:7221.

پاس آئی اور عبداللہ بن ابی کی شکایت کرنے لگی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اب لونڈی کو اپنے پاس رکھ لو، اسے واپس نہ جانے دینا۔

منافق کو پتا چلا تو وہ بہت سٹپٹایا اور بکواس کی: ہمیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کون خلاصی دلائے گا، اس نے ہماری ملکیت کی چیزوں پر غلبہ پانا شروع کر دیا ہے۔ (نعوذ باللہ من هفواته)

اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمادیا:

﴿وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○﴾

"اور تمھاری لونڈیاں اگر پاک دامن رہنا چاہیں تو تم دنیاوی زندگی کا سامان تلاش کرنے کی خاطر انھیں بدکاری پر مجبور نہ کرو اور جو کوئی انھیں مجبور کرے تو بے شک ان کے مجبور کیے جانے کے بعد اللہ (ان کے لیے) غفور، رحیم ہے۔"[1]

وہ تمام نصوص اور دلائل جو ہم تک پہنچتے ہیں، وہ یقین کے اس درجے تک نہیں پہنچتے کہ ہم حتمی فیصلہ کر سکیں کہ یہ گناہ عبداللہ بن ابی کی بیٹی سے سرزد ہوا ہے یا کسی اور بیوی سے۔ حقیقت حال اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کے ساتھ کس شخص کو دیکھا تھا؟ کیا وہ کافر اور مشرکین میں سے کوئی فرد تھا یا اس کا تعلق منافقوں کے گروہ سے تھا جو بظاہر مسلمان ہوتے ہیں مگر ان کے دل کفر سے لبریز ہوتے ہیں۔ ان کی کیفیت گومگو کی سی ہوتی ہے، نہ یہ مسلمانوں کے ساتھ ہوتے ہیں نہ کافروں کے ساتھ۔ بہر حال

[1] النور 33:24، تفسیر ابن کثیر: 56/6.

جس شخص کو متہم قرار دیا گیا تھا، وہ تو سچا مومن اور مخلص تھا۔ اس کا نام شریک بن سحماء ہے۔ سحماء ان کی والدہ تھیں۔ ان کے والد کا نام عبدہ بن مغیث تھا، نیز یہ براء بن مالک رضی اللہ عنہ کے ماں جائے بھائی تھے۔ براء بن مالک رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«كَمْ مِّنْ ضَعِيفٍ مُّسْتَضْعَفٍ ذِي طِمْرَيْنِ لَا يُؤْبَهُ لَهُ، لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ، مِنْهُمُ الْبَرَاءُ بْنُ مَالِكٍ»

''بہت سے کمزور، جنھیں معاشرے میں بھی کمزور ہی سمجھا جاتا ہے، وہ پراگندہ حالت والے ہیں، انھیں کسی خاطر میں نہیں لایا جاتا، اگر وہ اللہ کے ذمے قسم ڈال دیں تو اللہ ان کی قسم پوری کر دے، انھی میں سے براء بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔''[1]

ابن اسحاق رحمہ اللہ نے کہا ہے: مسلمانوں نے یمامہ میں مشرکوں کے خلاف پیش قدمی کی اور انھیں ایک باغ میں جس کی چار دیواری بھی تھی، پناہ لینے پر مجبور کر دیا، مسیلمہ کذاب بھی اسی باغ میں تھا۔ اس موقع پر براء بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو پیش کیا اور فرمانے لگے: بھائیو! مجھے کسی طرح اٹھا کر قلعے کے اندر پھینک دو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انھیں اٹھا کر باغ کی دیوار کے برابر لے گئے تو وہ باغ میں کود گئے۔ وہاں مسیلمہ کے چیلوں سے لڑتے رہے اور اسی اثنا میں مسلمانوں کے لیے اس باغ کا دروازہ اندر سے کھول دیا، چنانچہ مسلمان فوج باغ میں داخل ہو گئی اور مسیلمہ کذاب کو قتل کر دیا۔

شریک بن سحماء کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ایک اہم ذمہ داری سونپتے ہوئے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی طرف قاصد بنا کر بھیجا تھا کہ عراق کی طرف پیش

[1] دیکھیے: جامع الترمذي، حديث:3854، والمستدرك للحاكم:331/3.

قدمی کریں۔ اس وقت خالد رضی اللہ عنہ یمامہ میں تھے۔ جس وقت شریک بن سحماء خلیفۂ رسول اور لشکر کے قائد کے درمیان سفارت کا فریضہ سرانجام دے رہے تھے، اسی وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں شام کا امیر بننے کا حکم نامہ جاری کیا۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انھی کو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرف قاصد بنا کر روانہ کیا تھا۔ اس پیغام میں عمرو رضی اللہ عنہ کو مصر کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا تھا۔

کیا ایسی قابل اعتماد شخصیت سے ایسا شنیع فعل سرزد ہوسکتا ہے؟ اس کے بارے میں متعدد آراء پائی جاتی ہیں۔ بہرحال یہ واقعہ تو وقوع پذیر ہو چکا ہے اور یہ واقعہ ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ ہی کی کسی بیوی کے ساتھ پیش آیا ہے۔ اسی عورت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

«لَوْ لَا الْأَيْمَانُ لَكَانَ لِي وَ لَهَا شَأْنٌ»

''اگر لعان کی قسمیں نہ اٹھائی گئی ہوتیں تو پھر میں اسے سزا دیتا۔''[1]

اللہ تعالیٰ ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ پر اپنی رحمتیں برسائے اور انھیں اپنے جوار میں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام پر فائز کرے، آمین!

[1] سنن أبي داود، حديث:2256، ومسند أحمد:1/238.

آیات کی شانِ نزول

سورۂ نور کی مذکورہ آیات جب نازل ہوئیں تو انصار کے سردار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! کیا یہ آیت اسی طرح اتری ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَلَا تَسْمَعُونَ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ! إِلَى مَا يَقُولُ سَيِّدُكُمْ؟»

''انصار کی جماعت! تمھارے سردار نے جو کہا ہے، کیا تم سن رہے ہو؟''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! سعد بن عبادہ بڑے غیور انسان ہیں۔ اللہ کی قسم! انھوں نے ہمیشہ کنواری عورت ہی سے شادی کی ہے۔ اور جس عورت کو بھی انھوں نے طلاق دی ہے تو ان کی شدید غیرت کی بنا پر کسی دوسرے شخص نے اس سے شادی کی جرأت نہیں کی۔

سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! میں جانتا ہوں کہ یقیناً یہ اللہ کی طرف سے برحق ہیں لیکن مجھے تعجب اس بات پر ہوا کہ اگر میں بیوی کو دیکھوں کہ اس کی رانوں پر کوئی اجنبی سوار ہے اور مجھے اتنا بھی اختیار نہیں کہ چار گواہ لانے سے پہلے اسے پیچھے ہٹاؤں۔ اللہ کی قسم! میرے گواہ لانے تک تو وہ اپنی ضرورت پوری کر چکا ہوگا۔
اس واقعے کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا ہوگا کہ ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ رات کے وقت اپنے کھیتوں سے پلٹے تو اپنی بیوی کے پاس کسی اجنبی مرد کو دیکھا۔ انھوں نے اسے اپنی آنکھوں سے

دیکھ لیا تھا اور کانوں سے اس کی باتیں بھی سن لی تھیں مگر اسے کہا کچھ نہیں۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: اللہ کے رسول! میں رات کو اپنے کھیتوں سے لوٹا تو اپنی اہلیہ کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو پایا۔ میں نے اسے آنکھوں سے دیکھا بھی ہے اور اس کی باتیں بھی سنی ہیں۔ اس خبر سے آپ ﷺ رنجیدہ خاطر ہوئے۔

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میرا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ ابھی انھیں کوڑوں کی سزا دلوائیں گے اور ان کی مسلمانوں کے حق میں گواہی باطل قرار دیں گے۔

ہلال رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! مجھے بہت امید تھی کہ اللہ تعالیٰ مجھے بری قرار دے گا۔

ہلال رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: اللہ کے رسول! میں نے محسوس کیا ہے کہ میری خبر آپ کو ناگوار لگی ہے مگر اللہ جانتا ہے کہ میں سچا ہوں۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ ہلال رضی اللہ عنہ کو سزا دینے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ آپ ﷺ پر وحی آنی شروع ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ کی جلد کی رنگت سے یہ کیفیت نمایاں ہوجاتی تھی۔ اس دوران میں صحابہ تھوڑی دیر کے لیے پیچھے ہٹ کر کھڑے ہوگئے حتی کہ وحی کا نزول مکمل ہوگیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائی تھیں:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ ﴾

”اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور ان کے پاس اپنے سوا کوئی گواہ نہ ہوں، تو ان میں سے ایک کی شہادت اس طرح ہوگی کہ چار بار اللہ کی قسم کھا

کر کہے کہ بے شک وہ سچوں میں سے ہے۔ اور پانچویں بار یہ کہے: اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اور عورت سے سزا کو (یہ شے) ٹالتی ہے کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بلاشبہ وہ (اس کا خاوند) جھوٹوں میں سے ہے۔ اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ (اس کا خاوند) سچوں میں سے ہو تو اس (عورت) پر اللہ کا غضب ہو۔"[1]

رسول اللہ ﷺ سے وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

ہلال! خوش ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ نے تمھاری براءت نازل فرما دی ہے۔ ہلال رضی اللہ عنہ نے عرض کی: مجھے اپنے رب سے اسی کی امید تھی۔ اب رسول اللہ ﷺ نے پیغام بھیج کر اس عورت کو بلایا، پھر رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی آیات دونوں کو پڑھ کر سنائیں اور انھیں سمجھایا کہ آخرت کا عذاب دنیا کی سزا سے بہت سخت ہے۔

ہلال رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! میں نے سچ بولا ہے۔

عورت نے کہا: اس نے جھوٹ بولا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان دونوں کے درمیان لعان کرایا جائے۔

چنانچہ پہلے ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ تم قسمیں اٹھاؤ۔ انھوں نے چار مرتبہ اللہ کے نام کی گواہی دیتے ہوئے قسمیں اٹھائیں کہ وہ سچے ہیں۔ جب پانچویں قسم اٹھانے لگے تو انھیں دوبارہ وعظ و نصیحت کرتے ہوئے کہا گیا: اے ہلال! اللہ سے ڈر جاؤ (اور دنیا کی رسوائی کی پروا کیے بغیر حقیقت بتا دو) کیونکہ دنیا کی سزا آخرت کے عذاب کے مقابلے میں بہت ہلکی ہے۔ یہ پانچویں قسم فیصلہ کن ہوگی جو تمھیں عذاب کا مستحق بھی بنا سکتی ہے۔

---

[1] النور 24:6-9.

ہلال رضی اللہ عنہ نے بڑے اعتماد سے کہا: اللہ کی قسم! اللہ مجھے عذاب نہیں دے گا۔ جیسے اس نے مجھے کوڑوں کی سزا سے بچایا ہے، اسی طرح وہ مجھے آخرت کا عذاب بھی نہیں دے گا۔ بالآخر انھوں نے پانچویں قسم اس طرح اٹھائی کہ اگر میں جھوٹا ہوا تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔

اب عورت سے کہا گیا: تو بھی اللہ کے نام کی چار قسمیں اٹھا کہ میرا خاوند جھوٹا ہے۔ پانچویں قسم کے موقع پر اسے بھی سمجھایا گیا کہ اللہ سے ڈر جا کیونکہ دنیا کی سزا (اور رسوائی) آخرت کے عذاب (اور رسوائی) کے مقابلے میں بہت ہلکی ہے، نیز اس پانچویں قسم سے تو اللہ کے عذاب اور غضب سے بچ نہیں سکے گی۔ یہ سن کر ایک مرتبہ تو وہ عورت ہچکچائی اور اپنے گناہ کا اعتراف کرنا چاہا، پھر کہنے لگی: اللہ کی قسم! میں اپنی قوم کو رسوا نہیں کراؤں گی، ان کی ناک کبھی نہیں کٹواؤں گی۔ اس کے بعد پانچویں قسم بھی اٹھالی کہ اگر میرا خاوند سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو۔[1]

لعان کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دونوں کو الگ الگ کر دیا، نیز حکم دیا کہ (غلط کاری کی وجہ سے پیدا ہونے والے) بچے کی نسبت باپ کی طرف نہ کی جائے۔ یہ بھی حکم دیا کہ بچے پر کسی قسم کی تہمت نہ لگائی جائے۔ جس نے اس بچے پر تہمت لگائی اسے سزا ملے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک حکم یہ بھی دیا کہ اب اس عورت کی رہائش اور خوراک وغیرہ اس کے سابقہ خاوند کے ذمے نہیں کیونکہ یہ جدائی طلاق یا وفات کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ یہ فسخ نکاح ہے۔

ہلال رضی اللہ عنہ کے اعتماد اور حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[1] سنن أبي داود، حديث:2256، ومسند أحمد:1/238.

«إِنْ جَاءَتْ بِهِ أُصَيْهِبَ، أُرَيْسِحَ حَمْشَ السَّاقَيْنِ، فَهُوَ لِهِلَالٍ، وَ إِنْ جَاءَتْ بِهِ أَوْرَقَ جَعْدًا جُمَالِيًّا خَدَلَّجَ السَّاقَيْنِ سَابِغَ الْأَلْيَتَيْنِ، فَهُوَ لِلَّذِي رُمِيَتْ بِهِ»

''اگر اس عورت نے سرخ بالوں والا، ہلکے چوتڑوں اور باریک پنڈلیوں والا بچہ جنا تو وہ ہلال بن امیہ ہی کا ہوگا اور اگر گندمی رنگ، گھنگھریالے بالوں، موٹی پنڈلیوں اور بڑے چوتڑوں والا بچہ جنا تو اسی کا ہوگا جس کے ساتھ اس عورت پر تہمت لگی ہے۔''

جب اس عورت نے بچے کو جنم دیا تو وہ رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے اوصاف کے مطابق گندمی رنگ، گھنگھریالے بال، موٹی پنڈلیوں اور بھاری چوتڑوں والا تھا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ لَا الْأَيْمَانُ لَكَانَ لِي وَ لَهَا شَأْنٌ»

''اگر لعان کی قسمیں نہ ہوتیں تو میں اسے سخت سزا دیتا۔''[1]

[1] مسند أحمد:1/238، وسنن أبي داود، حديث:2256.

فوائد و اسباق

عورت اپنے خاوند کی خیانت کا کیوں ارتکاب کرتی ہے؟ وہ کون سے اسباب ہیں کہ وہ اپنے خاوند کو چھوڑ کر دوسرے مردوں سے تعلقات استوار کر لیتی ہے۔ جبکہ وہ پہلے خاوند کے گھر میں ہوتی ہے جس سے اس کا نکاح ہوا ہے۔ کیا کوئی داخلی اور خارجی ایسے حالات ہیں جو عورت کو اس فعل پر مجبور کرتے ہیں جن سے خاوند کی عزت اور خاندان کی شرافت نیلام ہو جاتی ہے اور جن حالات کی وجہ سے عورت اپنا آپ انسان نما درندوں کے سامنے پیش کر دیتی ہے جسے وہ تر نوالہ سمجھ کر نوچتے رہتے ہیں۔

اس خیانت کا سبب کہیں فرصت اور فراغت کے وہ لمحات تو نہیں جنھیں بہت سی بیویاں اپنے خاوندوں سے لمبے عرصے کے لیے دور رہ کر گزارتی ہیں؟

ہم آج کے دور میں دیکھتے ہیں کہ بہت سے مزدور، تاجر، ڈاکٹر، پروفیسر، قاضی اور عدالتی اہل کار اور دیگر افراد اپنے کام کی غرض سے سارا دن اور رات کا بھی کچھ حصہ گھر سے دور رہتے ہیں۔ اس لمبے عرصے میں عورتیں گھروں میں اکیلی ہی ہوتی ہیں جنھیں نہ کوئی کام ہوتا ہے اور نہ کوئی غم خوار ان کے پاس ہوتا ہے۔

انسان کے ازلی دشمن شیطان کو یہاں موقع ملتا ہے اور وہ انھیں مختلف وسوسوں سے بھڑکاتا ہے۔ ان کے ناپختہ ذہنوں میں گدگدی کرتا ہے اور انھیں گناہوں پر ابھارتا ہے۔

خاوندوں کی خیانت کا دوسرا بڑا سبب جنسی اور شہوانی بھوک مٹانا بھی ہوسکتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بڑی عمر کے مرد چھوٹی عمر کی دوشیزاؤں سے شادی کرنا پسند کرتے ہیں۔ ایک خزاں رسیدہ مرد جب بہار آفرین دوشیزہ سے مقاربت کرتا ہے تو اس سے بھی دوشیزہ کے ذہن میں اپنے بوڑھے خاوند کے خلاف نفرت کے جذبات موجزن ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے بھی وہ ہم عمر نوجوان مرد سے حرام اور گناہ کی لذت حاصل کرنے کا سوچتی ہے۔ اس بنا پر کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ زوجین کی عمروں میں تفاوت اور فرق بھی ازدواجی خیانت کا ایک بڑا سبب ہے یا اس کی بالکل کوئی اہمیت نہیں؟

ہم بہت سی چھوٹی عمر کی لڑکیوں سے واقف ہیں جن کی شادیاں بڑی عمر کے مردوں سے ہوتی ہیں۔ یہ خاوند عمر میں ان کے باپوں کے ہم عمر ہوتے ہیں مگر وہ انھی کے ساتھ خوش گوار زندگی گزار رہی ہیں بلکہ ان کے ازدواجی تعلقات پر رشک کیا جاسکتا ہے۔ کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ زوجین کی عمروں میں اختلاف ازدواجی خیانت کا سبب نہیں؟ اگر یہ اختلاف خیانت زوجی کا سبب نہیں تو پھر اور کیا سبب ہوسکتا ہے؟

کیا کوئی اقتصادی سبب ہے یا خاوند کی تنخواہ کا کم ہونا اس کا سبب ہے۔ کیونکہ عورت فطری طور پر سونے چاندی اور جواہرات سے محبت کرتی ہے اور اپنے سینے کو عمدہ جواہرات اور قیمتی اشیاء سے سجاتی ہے۔

پرانی دادیاں، نانیاں تو زیب و زینت کے لیے مختلف گھونگے اور کانچ کے ٹکڑے شوق سے جمع کیا کرتی تھیں۔ اسی طرح ہاتھی کے دانتوں سے خوبصورت اشیا بناتی تھیں، نیز بعض جانوروں کی اون اور بالوں اور پرندوں کے رنگین پروں کو بھی بطور

زینت استعمال کرتی تھیں۔

آج بیسویں بلکہ اکیسویں صدی کی عورت بھی مختلف قسم کے تحائف اکٹھے کرتی اور بہت سی نادر چیزیں حاصل کرتی ہے اور وہ بیش قیمت جواہرات کی بڑی دلدادہ ہے۔ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ میرے پاس زینت کی نت نئی شے ہو جو کسی دوسری کے پاس نہ ہو۔ پھر من پسند کپڑوں کی خریداری کے لیے مختلف بوتیک کے چکر لگاتی ہے، شاید ایسا کوئی دل کش ڈیزائن دل کو بھا جائے جس سے لوگوں کی نگاہیں خیرہ ہوتی ہوں اور مرد گردنیں گھما گھما کر دیکھتے ہوں۔ عورت ہمیشہ سے تا ابد زینت والی اشیاء سے محبت کرتی آئی ہے اور کرتی رہے گی۔

عورت کو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے خاوند کی کمائی یا دیگر جائز ذرائع کفایت نہ کریں تو لامحالہ غیر شرعی اور ناجائز طریقے اختیار کرے گی۔ وہ اپنی پسند کے کپڑے، جوتے یا زیورات وغیرہ خریدنے کے لیے خاوند کی جمع پونجی پر ہاتھ صاف کرے گی یا اپنے والد کو اشیا کی خریداری پر مجبور کرے گی۔ عورت کے سامنے اگر یہ شرعی اور جائز راستے بند ہو جائیں تو وہ دوسرے شیطانی راستے اپنانے پر اتر آئے گی۔ خفیہ دوستی لگائے گی، عاشق بنائے گی اور خاوند کی عدم موجودگی میں بھوکے عاشقوں کی خواہش پوری کرے گی جس کے عوض وہ اس کی من پسند اشیا کی خریداری میں اس کی رغبت پوری کریں گے۔

سابقہ سطور کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ازدواجی خیانت کا حقیقی سبب صحیح اسلامی تعلیمات کا فقدان ہے، نیز اسلامی احکام و اخلاق کو معاشرے سے نکال دینا اور ان کی جگہ گندے اور گھٹیا مغربی قوانین و اخلاق لاگو کرنا بھی ایک بڑا سبب ہے۔

پیچھے جو باتیں گزری ہیں کہ بعض بیویاں دن کا اکثر حصہ گھر میں اکیلی رہتی ہیں، یا زوجین کی عمروں میں فرق والی بات یا پھر عورت کا زینت والی چیزوں کے پیچھے دوڑنا جن سے وہ اپنے آپ کو مزین کر سکیں تو ان تمام معاملات میں اسلام نے خاص احتیاط سے کام لیا ہے۔ خاندان کی عزت و ناموس کے تحفظ کے لیے بھی اہم قوانین وضع کیے ہیں۔

آدمی روزی روٹی کی خاطر چاہے جتنا دور دراز کا سفر کرے مگر وہ اپنے گھر اور اپنی بیوی سے غافل نہ ہو۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ دشمن سے برسرِ پیکار فوجیوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ کوئی مجاہد فوجی گھر بار سے دور دشمن کے علاقوں میں تین ماہ سے زیادہ نہ ٹھہرے۔ وہ اپنی صابرہ، شاکرہ اور مومنہ بیوی کے پاس واپس آئے، کچھ مدت اس کے ساتھ گزارے اور پھر میدانِ معرکہ میں لوٹ جایا کرے۔

نیز اسلام نے خاندان کو اخلاقیات اور دین کے مضبوط حصار میں پناہ مہیا کرتے ہوئے یہ شرط عائد کی ہے کہ دونوں میاں بیوی آزاد ہوں (غلام نہ ہوں)، قد کاٹھ بھی مناسب ہو اور عمر میں بھی یکسانیت ہو۔

رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنی شادی ایک شادی شدہ (بیوہ) عورت سے کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

«هَلَّا تَزَوَّجْتَ بِكْرًا، تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ؟»

”جابر! تو نے کنواری عورت سے شادی کیوں نہ کی؟ تو اس سے کھیل کر لطف اندوز ہوتا، وہ تجھ سے کھیل کر لطف اندوز ہوتی۔“ [1]

اس حدیث کو مدنظر رکھتے ہوئے عام قانون ایسا ہی بننا چاہیے کہ شادی شدہ خاوند

[1] صحيح البخاري، حديث: 2967.

شادی شدہ عورت سے شادی کو ترجیح دے اور کنوارا مرد کنواری عورت سے شادی کرے۔

کفو یا تکافؤ عربی زبان کے الفاظ ہیں جن کے معنی برابری، ہم پلہ یا ہم سری وغیرہ کے ہیں۔ اس کفو یا برابری کے معنی میں خاصی وسعت پائی جاتی ہے۔ اس میں ہر وہ شرط اور شق شامل ہے جس سے خاندان کو مکمل تحفظ حاصل ہو، اس کی سلامتی کو یقینی بنائے اور عزت و ناموس کو محفوظ کرے۔

اسلام نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ معاشرے کو یقینی تحفظ فراہم کیا ہے۔ مرد وزن کے اختلاط سے بچنے کی ترغیب دی ہے۔ غیر محرم مرد وزن کے اختلاط میں مرد خوبصورت لڑکیوں کی طرف تانک جھانک کرتا ہے اور لڑکی نوجوان لڑکوں سے دل بہلاتی ہے۔ شیطان کو یہاں موقع ملتا ہے اور وہ غیر محرم مرد و عورت کو دوسرے کی نظر میں خوبصورت کر کے پیش کرتا ہے۔ ایک دوسرے سے دوستیاں لگتی ہیں اور ملاقاتیں بڑھتی ہیں۔ جس کا نتیجہ حرام کاری کی شکل میں نکلتا ہے، حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے سختی سے منع فرمایا ہے:

«لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ الشَّيْطَانُ ثَالِثَهُمَا»

''جب بھی غیر محرم مرد و عورت کسی جگہ اکٹھے ہوتے ہیں تو تیسرا ان کے ساتھ شیطان ضرور ہوتا ہے۔''[1]

آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں یہ دور فتنوں سے بھرا ہوا ہے۔ ہر طرف عجیب سا شور برپا ہے۔ فتنے ہمارے گھروں بلکہ اندرونی کمروں تک پھیل چکے ہیں۔ ریڈیو کو دیکھ لیں کہ اس نے گندے گانوں، فحش قسم کے سلسلہ وار ڈراموں اور قبیح باتوں کے

[1] جامع الترمذي، حديث: 2165.

ذریعے سے فتنے پھیلائے ہوئے ہیں۔ ٹیلی ویژن مجسم صورت میں فتنے پھیلا رہا ہے۔ بڑے بڑے فتنے اور مختلف شیطانی ہتھکنڈے بیویوں کو ازدواجی خیانت کے طریقے سکھاتے ہیں۔ انھیں کمینگی اور گھٹیا پن کا جواز پیش کرتے ہیں اور ان تمام غلط حرکات پر ان کی ہمت افزائی کرتے ہیں۔

اخبار و جرائد اپنی جگہ فتنہ وفساد پھیلا رہے ہیں۔ ان کی کوشش بھی یہی ہوتی ہے کہ اسلامی معاشرے میں گندا مغربی کلچر عام کیا جائے۔ آج کے دور میں تو عاشقوں کے درمیان جھوٹی محبت نئی تہذیب کا راستہ ہے۔ ازدواجی خیانت کا نام آزادی نسواں ہے۔

آج کی صحافت میں پاکدامنی، خاندانی شرافت اور امانت داری رجعت پسندی پسماندگی کہلاتی ہے۔ معلوم نہیں کہ عالم اسلام کب بیدار ہوگا اور ذرائع ابلاغ کو معاشرے کی تعمیر وترقی کی بنیاد بنائے گا، انھیں معاشرے میں خیر اور اس کی تطہیر کی بنیاد بنائے گا اور تمام نوع انسانی کی تربیت میں بنیادی کردار ادا کرنے کے ساتھ ساتھ انھیں فضائل و خصائل کی بنیاد بنائے گا۔

اے رب! ہم منتظر ہیں کہ ایسا کب ہوگا؟

سیدنا اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ

چھٹی آیت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ أَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا أُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ○﴾

''بے شک جو لوگ اللہ کا عہد اور اپنی قسمیں تھوڑی قیمت کے بدلے بیچ ڈالتے ہیں، ان لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا اور قیامت کے روز اللہ ان سے کلام نہیں کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''[1]



[1] آل عمرٰن 3:77.



آیت کی شان نزول کے متعلق علماء کے اقوال

بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ آیت سیدنا اشعث بن قیس ؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس کے لیے

الدر المنثور: 2/44.

تفسير الطبري: 6/529.

صحيح البخاري، حديث 4549، 4550.

مسند أحمد: 3/113، 117 کا مطالعہ مفید رہے گا۔

قارئین کرام! سیدنا اشعث بن قیس ؓ کون تھے؟ ان کی زندگی کے بعض گوشوں سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے تاریخ کی ورق گردانی کرتے ہیں۔



سیدنا اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ

اشعث بن قیس بن معدی کرب بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو محمد تھی۔ یہ ''عرف النار'' کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ یمن کے علاقے میں پلے بڑھے۔ تاریخ میں اس علاقے کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ اسی علاقے کی فضاؤں میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک درباری ہدہد نے چکر کاٹے تھے۔ اللہ کے نبی سلیمان علیہ السلام کے خط نے اسی علاقے کی فضائیں طے کی تھیں۔ یہاں کی ملکہ بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام پر ایمان لائی اور ان کی اطاعت قبول کر لی۔ اس قصے کو قرآن کریم نہایت خوبصورت پیرائے میں بیان کرتا ہے:

﴿ وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ○ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَ اذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ○ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ○ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ○ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ○ ﴾

''اور سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہا: کیا بات ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا ہوں (کیا وہ موجود ہے) یا وہ غیر حاضروں میں ہے۔ (یہی بات ہے تو) میں اسے ضرور سخت سزا دوں گا، یا اسے ذبح ہی کر دوں گا یا وہ میرے پاس

کوئی واضح دلیل لائے۔ ابھی وہ کوئی زیادہ دیر نہیں ٹھہرے تھے کہ (ہدہد آ گیا اور) اس نے کہا: میں نے (وہ کچھ) جان لیا ہے جس کے بارے میں آپ نہیں جانتے، اور میں آپ کے پاس "سبا" سے ایک سچی خبر لایا ہوں۔ بلاشبہ میں نے دیکھا کہ ایک عورت ان پر حکومت کرتی ہے اور اسے (ضرورت کی) ہر چیز عطا کی گئی ہے اور اس کا تخت عظیم الشان ہے۔ میں نے اسے اور اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ کے سوا سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال ان کے لیے پرکشش بنا دیے ہیں، پھر انھیں راہ (حق) سے روک دیا ہے، چنانچہ وہ ہدایت نہیں پاتے۔"[1]

پورا قصہ قرآن کی اس آیت تک ہے:

﴿قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۖ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَن سَاقَيْهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّن قَوَارِيرَ ۗ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝﴾

"اس سے کہا گیا: تو محل میں داخل ہو جا، پھر جب اس نے اس کو دیکھا تو اسے گہرا پانی سمجھا اور اپنی دونوں پنڈلیوں سے (کپڑا) اٹھا لیا، سلیمان علیہ السلام نے کہا: بلاشبہ یہ تو شیشوں سے جڑا صاف محل ہے۔ اس نے کہا: اے میرے رب! بے شک (اب تک سورج کی عبادت کر کے) میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا، اور (اب) میں سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اللہ رب العالمین کی فرماں بردار ہوگئی ہوں۔"[2]

اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ بارگاہِ نبوی میں

اشعث رضی اللہ عنہ کے بچپن اور جوانی کے حالات تاریخ نے محفوظ نہیں کیے۔ ان کے اس

[1] النمل 27:20-24. [2] النمل 27:44.

دور کی کوئی خبر نہیں، البتہ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنے علاقے کے رئیس تھے اور ان کا حکم مانا جاتا تھا۔ جب انھیں اسلام کی دعوت پہنچی اور پتا چلا کہ لوگ جوق در جوق دین اسلام میں داخل ہو رہے ہیں تو وہ کندہ سے اَسّی (80) افراد کا وفد لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ آگئے۔ رسول اللہ ﷺ سے ملاقات مسجد میں ہوئی۔ وفد کے تمام ارکان نے کنگھی کی ہوئی تھی اور سرمہ لگایا ہوا تھا۔ انھوں نے حبرہ (یمنی چادریں) اوڑھ رکھی تھیں جن کے کناروں پر ریشم لگا ہوا تھا۔ جب وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آئے تو آپ ﷺ نے پوچھا: «أَلَمْ تُسْلِمُوا؟» ''کیا تم نے اسلام قبول نہیں کیا؟'' وہ کہنے لگے: کیوں نہیں! اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے پھر پوچھا: «فَمَا بَالُ هٰذَا الْحَرِيرِ فِي أَعْنَاقِكُمْ؟» ''پھر تمھارے گلوں میں یہ ریشم کیسا ہے؟''[1]

انھوں نے اپنے گلوں سے ریشم پھاڑ کر پھینک دیا۔

اشعث رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم آکل المرار (سختیوں کو برداشت کرنے والے) کی آل ہیں اور آپ بھی آکل المرار کے بیٹے ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ تبسم فرماتے ہوئے کہنے لگے:

«نَاسِبُوا بِهٰذَا النَّسَبِ الْعَبَّاسَ بْنَ عَبْدِالْمُطَّلِبِ وَرَبِيعَةَ بْنَ الْحٰرِثِ»

''(''أَكِلُ الْمِرَارِ'' کی آل کا جملہ بول کر) انھوں نے عباس بن عبدالمطلب اور ربیعہ بن حارث کو اپنا ہم نسب قرار دیا ہے۔''

اس کا پس منظر یہ ہے کہ عباس اور ربیعہ تجارت کے لیے جایا کرتے تھے۔ جب وہ عرب کے کسی دوسرے علاقے میں جاتے اور ان سے پوچھا جاتا کہ تم کون ہو؟ تو وہ

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 232/4، والكامل لابن الأثير: 166/2.

دونوں جواب دیتے: ہم آکل المرار (سختیوں کو جھیلنے والے) کے بیٹے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد قوت اور عزت حاصل کرنا ہوتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

«بَلْ نَحْنُ بَنُو النَّضْرِ بْنِ كِنَانَةَ، لَا نَقْفُو أُمَّنَا وَلَا نَنْتَفِي مِنْ أَبِينَا»

''نہیں! بلکہ ہم نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں۔ ہمارا نسب ماں کی طرف سے نہیں چلتا اور نہ ہم اپنے باپ کا انکار کرتے ہیں۔''

بیعت سے فارغ ہوکر اشعث رضی اللہ عنہ نے کہا: کندہ کی جماعت! کیا تم فارغ ہوگئے ہو؟ اللہ کی قسم! میں نے جس کو بھی سنا کہ وہ قریش کو آکل المرار کی اولاد بتاتا ہے میں اسے اسّی کوڑوں کی سزا دوں گا۔[1]

کندہ کا وفد جو اشعث رضی اللہ عنہ کے ساتھ آیا تھا، وہ دین اسلام کے بعض امور سمجھنے اور سیکھنے کے بعد واپس لوٹ گیا۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی وفات تک اسی پر کاربند رہے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد عرب کے کچھ قبائل مرتد ہوگئے تو اشعث بن قیس (رضی اللہ عنہ) بھی مرتدین کی صف میں شامل ہوگئے۔ یہ اسلام سے لاتعلق ہوگئے تھے۔ خلیفۂ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کے ارتداد کی خبر ملی تو انھوں نے مہاجر بن ابی اُمیہ کی کمان میں ایک بڑا لشکر روانہ کیا۔ مرتدین سے لڑائی ہوئی تو وہ شکست سے دوچار ہوئے۔ مہاجر بن ابی اُمیہ رضی اللہ عنہ نے اشعث (رضی اللہ عنہ) کو گرفتار کرلیا۔ جب اشعث کو مہاجر رضی اللہ عنہ کے سامنے کھڑا کیا گیا تو مہاجر رضی اللہ عنہ نے کہا:

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 232/4، والكامل لابن الأثير: 166/2 اور دیکھیے: سنن ابن ماجه، حديث: 2612.

[اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي خَطَّأَ فَاكَ يَا أَشْعَثُ! يَا عَدُوَّ اللّٰهِ! فَقَدْ كُنْتُ أَشْتَهِي أَنْ يُخْزِيَكَ اللّٰهُ]

''ہر قسم کی تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے تیری بات کو غلط قرار دیا ہے۔ اوئے اللہ کے دشمن اشعث! میری خواہش یہی تھی کہ اللہ تجھے رسوا کرے۔''

پھر ان کی مشکیں کس دی گئیں۔ مہاجر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ انھیں مہلت دے دیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیں، وہ ان کے حق میں بہتر فیصلہ جانتے ہیں۔ چنانچہ دیگر قیدیوں کے ساتھ اشعث کو بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔ مسلمان انھیں لعن طعن کر رہے تھے بلکہ ان کی قوم کے قیدی بن جانے والے افراد بھی انھیں لعن طعن اور ملامت کر رہے تھے۔ عورتوں نے ان کا نام ''عرف النار'' رکھ دیا تھا۔ یہ نام ان کے ہاں دھوکے سے کام لینے والے کا ہوتا تھا۔

جب یہ مدینہ پہنچے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: بتاؤ، میں تمھارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟

اشعث: میں نہیں جانتا۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ: میں تمھیں قتل کرادوں گا۔

اشعث: میں نے اپنی قوم کو بہکایا تھا۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ: صلح نامے پر مہر کے بعد صلح اپنی تمام شرائط کے ساتھ لاگو ہو جاتی ہے۔ تو پھسلانے والا تو اس سے پہلے تھا (بعد میں نہیں)۔

اشعث کو جب خطرہ محسوس ہوا کہ مجھے قتل کر دیا جائے گا تو کہنے لگے: کیا آپ میرے اندر بھلائی کی امید رکھتے ہیں؟ تو میرے قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے، میری لغزشوں سے

درگزر کیا جائے اور میرے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو میرے جیسوں کے ساتھ کیا جاتا ہے، نیز مجھے میری بیوی بھی لوٹا دی جائے۔ اشعث رضی اللہ عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ام فروہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی نسبت کر رکھی تھی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب اشعث رضی اللہ عنہ نے کندہ کے وفد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی تھی۔ ام فروہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کر رکھی تھی۔

اشعث رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر آپ میرے ساتھ درگزر والا معاملہ کریں گے تو مجھے اپنے علاقے والوں کی نسبت زیادہ دین دار پائیں گے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں معاف کر دیا اور ان کی بیوی ان کے حوالے کر دی۔ بعدازاں وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی میں مدینہ ہی میں مقیم رہے۔

اشعث رضی اللہ عنہ کی اولاد میں محمد اور اسحاق دو بیٹے اور صبابہ اور قریبہ دو بیٹیاں تھیں۔[1]

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں قادسیہ کا معرکہ پیش آیا۔ تاریخ اسلام میں اس معرکے کا بڑا چرچا ہے۔ اس میں مسلمانوں کو بڑی شاندار فتح نصیب ہوئی تھی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ ایرانی لڑائی میں سخت ہوتے ہیں، نیز ان کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ اس خطرے کے پیش نظر عمر رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے حضرت اشعث رضی اللہ عنہ کی کمان میں اہل یمن کا سترہ سو افراد پر مشتمل لشکر روانہ کیا۔

اشعث رضی اللہ عنہ کا لشکر جب اس دور دراز سرزمین پر سعد رضی اللہ عنہ سے ملا تو سعد رضی اللہ عنہ نے انھیں خوش آمدید کہا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے اشعث رضی اللہ عنہ سے کہا: مسلمان تمھاری طرف سے کمزوری

---

[1] الکامل لابن الأثیر: 231/2.

کا شکار نہ ہوں۔ اس کے بعد سعد رضی اللہ عنہ نے ایران کے بادشاہ یزدگرد کے پاس جو سفیر بھیجے ان میں اشعث رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان سفیروں کے نام یہ ہیں: نعمان بن مقرن، بُسر بن رُہم، اشعث بن قیس اور عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہم۔

یہ تمام لوگ ایک وفد کی شکل میں گئے تھے۔ یہ وفد جب یزدگرد کے دربار میں پہنچا تو لوگ انھیں دیکھنے کے لیے جمع ہوگئے۔ انھوں نے دیکھا کہ ان کے گھوڑے ہنہنا رہے ہیں، انھوں نے پھٹی پرانی چادریں اوڑھ رکھی ہیں اور کوڑے ان کے ہاتھوں میں ہیں۔ یزدگرد نے انھیں ملاقات کی اجازت دی تو گفتگو کے لیے ایک ترجمان بھی بلالیا۔

یزدگرد نے ترجمان سے کہا: ان سے پوچھو، انھیں یہاں کون سی شے لائی ہے اور یہ لوگ ہم سے کیوں جنگ کرنا چاہتے ہیں؟ نیز یہ ہمارے علاقے میں کس کی اجازت سے آئے ہیں؟ کہیں اس کا سبب یہ تو نہیں کہ ہمیں غافل پاکر یہ ہم پر چڑھ دوڑے ہیں؟

نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں سے کہا: اگر تم اجازت دو تو میں بات کرتا ہوں اور اگر دوسرا کوئی بات کرنا چاہے تو میں اسے ترجیح دوں گا۔ ساتھیوں نے بالاتفاق کہا: آپ ہی گفتگو کریں۔

نعمان رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحم کیا اور ہمارے پاس ایک رسول بھیج دیئے جو ہمیں اچھے کاموں کا حکم دیتے اور برے کاموں سے ہمیں روکتے ہیں۔ اگر ہم ان کی بات مان کر زندگی گزارتے ہیں تو انھوں نے ہم سے دنیا اور آخرت کی بھلائیوں کا وعدہ کیا ہے۔

جس قبیلے کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دی تو کچھ لوگ آپ کی دعوت قبول کرکے آپ کے قریب آگئے اور کچھ لوگوں نے دوری اختیار کی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ

اہل عرب میں سے جو آپ کے مخالف ہیں ان سے لڑائی کی جائے۔ لڑائی کا آغاز عربوں سے کیا تو یہ لوگ دو اسباب: رغبت اور خوف کی وجہ سے آپ کے دین میں شامل ہوتے گئے۔ ہم سب نے آپ ﷺ کے لائے ہوئے پیغام کا مقام و مرتبہ خوب پہچانا۔ ہماری اپنی حالت بھی یہی تھی کہ ہماری دشمنیاں صدیوں سے چلی آ رہی تھیں۔

آپ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ اب ہم ان لوگوں کو دعوت اسلام پہنچائیں جو ہمارے قرب و جوار میں رہتے ہیں اور انھیں بھی عدل و انصاف کا درس دیں۔

ہم آپ لوگوں کو بھی اپنے دین میں شامل ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ اس دین کی خوبی یہ ہے کہ یہ اچھے کو اچھا کہتا ہے اور ہر برے کو برا کہتا ہے۔ اگر تم اس دین کو قبول نہ کرو تو ہم تم سے جزیہ (تمھاری حفاظت کرنے کا ٹیکس) لیں گے جو تمھارے حق میں اگلی شق سے خفیف ہے۔ اگر تم جزیہ دینے سے انکار کرو گے تو ہمارا تمھارا فیصلہ میدان میں ہوگا۔ اگر تم ہمارا دین قبول کر لیتے ہو ہم تمھارے درمیان اللہ کی مقدس کتاب قرآن چھوڑ دیں گے۔ تم اللہ کی زمین میں اس کے مطابق حکومت کرو گے۔ تمھاری حکومت و سرداری تمھارے پاس رہے گی۔ اگر تم جزیے والی شرط قبول کرتے ہو تو پھر تمھاری حفاظت ہمارے ذمے ہوگی۔ اگر تمھیں کوئی شرط قبول نہیں تو پھر ہمارے اور تمھارے درمیان جنگ ہوگی۔ [1]

یزدگرد کہنے لگا: میں نے روئے زمین پر تم سے زیادہ بدبخت، تعداد میں تھوڑی اور آپس کی دشمنی میں حد سے بڑھی ہوئی کوئی قوم نہیں دیکھی۔ حال یہ ہے کہ ہم دیہی علاقے تمھارے سپرد کر کے تمھیں اپنے سے دور رکھتے تھے۔ تمھیں فارس کے مقابلے

[1] الکامل لابن الأثیر: 456/2.

میں کھڑے ہونے کا سان گمان بھی نہ تھا۔ اگر تمھیں کسی قسم کا دھوکا لاحق ہوا ہے تو ہمارے بارے میں تمھیں کسی دھوکے میں نہیں رہنا چاہیے۔ ہاں، اگر تم تنگ دست ہوگئے ہو تو ہم خوشحالی تک تمھیں غلہ دیں گے اور تمھاری عزت افزائی کریں گے۔ تمھیں لباس بھی دیں گے اور کوئی نرم مزاج آدمی تمھارا بادشاہ بنا دیں گے۔ یہ سن کر لوگ خاموش ہوگئے۔

اب مغیرہ بن زرارہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے:

اے بادشاہ! بے شک یہ لوگ عرب کے سردار اور صاحب عزت و مرتبہ ہیں، چونکہ یہ سردار ہیں اس لیے سرداروں سے حیاء کرتے ہیں۔ سرداروں کی عزت کی جاتی ہے اور سردار ہی سردار کے حقوق کا احترام کرتے ہیں۔ ابھی نعمان رضی اللہ عنہ نے اپنا پورا پیغام نہیں پہنچایا اور نہ تیری ساری باتوں کا تجھے جواب ہی دیا۔ تو مجھے جواب دے کیونکہ میں تجھے پیغام پہنچانے والا ہوں جبکہ میرے ساتھی میری گواہی دیں گے۔

اے بادشاہ! تو نے کہا ہے کہ ہماری حالت بہت بری تھی تو حقیقت بھی یہی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ بری حالت تھی۔ پھر مغیرہ بن زرارہ نے عربوں کی معاشی بدحالی کا ذکر کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے جو برکتیں اور رحمتیں نازل ہوئیں، ان کا تذکرہ کیا، پھر بادشاہ یزدگرد سے کہا: اے بادشاہ! اگر تو چاہے تو ذلیل ہوکر اپنے ہاتھ سے جزیہ (ٹیکس) ادا کر اور اگر چاہے تو تلوار ہمارے درمیان فیصلہ کرے گی یا پھر مسلمان ہوکر اپنے آپ کو محفوظ کر لے۔

بادشاہ نے کہا: اگر قاصدوں کو قتل کرنا منع نہ ہوتا تو میں تمھیں قتل کرا دیتا۔ جاؤ تمھارے لیے میرے پاس کچھ نہیں۔ [1]

[1] الكامل لابن الأثير: 2/457، البداية والنهاية: 7/47.

کچھ مدت تک دونوں فوجوں کے سفیر آتے جاتے رہے۔ پھر عرب اور فارسیوں کے مابین قادسیہ کے میدان میں فیصلہ کن معرکہ ہوا۔ اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ اپنی قوم کندہ میں کھڑے ہوکر کہنے لگے: اللہ بنو اسد کا بھلا کرے! تم یہ کیا کر رہے ہو اور یہ کیا کہہ رہے ہو؟ یہ کہہ کر انھوں نے دشمن پر حملہ کیا تو کندہ کے لوگوں نے بھی ان کے ساتھ یکبارگی دشمن پر حملہ کر دیا۔ اور سامنے والے دشمن مار بھگائے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی۔

اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں شامل تھے جو جنگ یرموک کی فتح کے بعد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تھے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے انھیں دس ہزار درہم بطور انعام دیے تھے۔

عمر رضی اللہ عنہ خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کرتے ہیں

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خالد رضی اللہ عنہ کے اس عطیے کا پتہ چلا تو انھوں نے خالد رضی اللہ عنہ کو ان کی ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا۔ لشکر کے نئے امیر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق خالد رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ نے اشعث کو یہ عطیہ کہاں سے دیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: یہ عطیہ میں نے اپنے مال سے دیا ہے۔ اگر مسلمانوں کے مال میں سے دیا ہوتا تو یہ خیانت ہوتی۔ لشکر والوں کو بھی خالد رضی اللہ عنہ کی معزولی کا علم ہوگیا تھا۔ ایک سپاہی کہنے لگا: آپ کو معزول کیوں کیا گیا ہے، آپ تو مسلمانوں کی نصرت و فتح کی نشانی سمجھے جاتے تھے۔ اس طرح مسلمانوں میں فتنہ پھیل جائے گا، لہٰذا اس کا سد باب ابھی سے کرنا چاہیے۔ آپ ہمیں حکم دیں ہم ابن خطاب کے خلاف مدینہ شہر کو پیادہ اور گھڑسواروں کی فوج سے بھر دیں۔

اس آدمی کا مقصد تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کی مسند خلافت پر خالد رضی اللہ عنہ کو، جو لشکر کے قائد ہیں، بیٹھنا چاہیے۔ مگر خالد رضی اللہ عنہ نے ایسا نہیں کیا، حالانکہ فوج کی کمان ان کے ہاتھ میں تھی۔ خالد رضی اللہ عنہ کی تربیت چونکہ اسلام کے گہوارے میں ہوئی تھی، اس لیے اپنے فوجی سے فرمایا: لا، یا أخي! ''میرے پیارے بھائی! ایسا ہرگز نہ سوچو۔'' اس لیے کہ امت اسلامیہ جس نے سلطنت ایران کی اینٹ سے اینٹ بجادی، جس نے روم کا تخت الٹ دیا، آج اسے خالد کی تلوار کی زیادہ ضرورت ہے۔ اور اس امت کو خالد کی تلوار سے بھی زیادہ عمر رضی اللہ عنہ کی عقل اور فہم و فراست کی ضرورت ہے۔ یہ محال ہے کہ ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے امت میں کسی قسم کا فتنہ سر اٹھائے۔

خالد رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ آئے تو عمر رضی اللہ عنہ سے اپنی معزولی کی شکایت کی اور کہا: میں نے مسلمانوں کے سامنے آپ کا معاملہ ظاہر کر دیا تھا۔ اللہ کی قسم! آپ میرے معاملات میں بالکل چاپلوسی سے کام لینے والے نہیں۔

عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمھارے پاس یہ اتنی دولت کہاں سے آگئی ہے؟ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: یہ مال غنیمت ہے اور کچھ زائد مال (نفل) سے حاصل شدہ مال ہے، البتہ آپ میرے سارے مال کا حساب لگائیں اور ساٹھ ہزار درہم سے جو زائد ہو وہ آپ لے سکتے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے مال کا حساب لگایا تو ساٹھ ہزار درہم سے بیس ہزار درہم زائد تھے۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال میں رکھوا دیے اور فرمایا:

«يَا خَالِدُ! وَاللّٰهِ! إِنَّكَ عَلَيَّ لَكَرِيمٌ وَ إِنَّكَ إِلَيَّ لَحَبِيبٌ»

''اللہ کی قسم! اے خالد! آپ میرے ہاں باعزت ہیں اور آپ مجھے بہت پیارے ہیں۔''

عمر رضی اللہ عنہ نے تمام علاقوں کی طرف لکھ بھیجا کہ میں نے خالد رضی اللہ عنہ کو کسی ناراضگی یا خیانت کی بنا پر معزول نہیں کیا۔ لیکن لوگوں نے انھیں بڑا سمجھنا شروع کر دیا تھا اور ان کی وجہ سے فتنے میں مبتلا ہو سکتے تھے، مجھے خدشہ لاحق ہوا تھا کہ لوگ انھی پر اعتماد نہ کر بیٹھیں۔

عمر رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ سے جو مال لیا تھا، اس کا انھیں بعد میں عوض بھی دیا تھا۔ [1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن کی رہنمائی میں زندگی بسر کرنے والے تھے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع کامل تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نگرانی میں ان کی تربیت کی تھی۔ انھیں قرآن کریم کے مطابق آداب ربانی سکھائے تھے۔ یہ ایسی عظیم کتاب ہے جس کے آگے یا پیچھے سے باطل پھٹک ہی نہیں سکتا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے معاملے کے وقت حضرت اشعث رضی اللہ عنہ کہاں تھے؟ تاریخ اس کا تذکرہ نہیں کرتی اور نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجالس اور قادسیہ کے بعد کی جنگوں میں اشعث رضی اللہ عنہ کا ذکر ملتا ہے۔ وہ کہاں چلے گئے تھے؟ کس ملک میں سکونت اختیار کی تھی؟ کسی کو بھی علم نہیں حتی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت شروع ہو گیا۔

عثمان رضی اللہ عنہ نے اشعث رضی اللہ عنہ کو آذربائیجان کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔ [2]

سیدنا اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ خلافت عثمانی میں آذربائیجان کے امیر رہے۔ انھوں نے کبھی کسی قسم کی شکایت کا موقع نہ دیا۔ حکومتی کام نبٹانے میں کمی نہیں آنے دی۔ ہمیشہ فتنوں سے علیحدہ رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک آذربائیجان ہی میں رہے۔

عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے سارے معاملات خراب ہو گئے اور ہر طرف فتنے پھوٹ پڑے جن میں سب سے شدید فتنۂ خوارج تھا۔ اس فتنے نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی

---

[1] الكامل لابن الأثير: 537/2، وتاريخ الأمم والملوك: 492/2. [2] الكامل لابن الأثير: 147/3.

اپنی لپیٹ میں لے لیا سوائے ان کے جن پر اللہ کا خاص کرم ہوا اور وہ اس فتنے سے علیحدہ رہے۔ انھی میں سیدنا اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

علی رضی اللہ عنہ نے جب خلافت کی بیعت لی تو اشعث رضی اللہ عنہ نے ان سے بیعت کی اور اپنے علاقے میں ان کے احکام نافذ کیے۔ جب اہل عراق اور اہل شام کے لشکروں میں جنگ ہوئی تو اشعث رضی اللہ عنہ دونوں لشکروں میں مفاہمت کرانے والوں میں سے تھے۔

اشعث رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چالیس دن بعد سن 40 ھ میں فوت ہوئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

آیات کی شان نزول

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ وَّهُوَ فِيهَا فَاجِرٌ لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ، لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ»

''جس نے کوئی قسم اٹھائی، جبکہ وہ اس میں جھوٹا تھا، تاکہ اس قسم کے ذریعے سے مسلمان آدمی کا مال ہڑپ کرلے تو وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر ناراض ہوگا۔''[1]

سیدنا اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! آیت: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا...﴾ (آل عمران3:77) میرے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ دراصل میری اور ایک یہودی کی زمین اکٹھی تھی۔ اس نے میری زمین پر قبضہ کرلیا اور میرے سپرد کرنے سے انکاری ہوگیا۔ میں اسے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لایا، تو آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: «أَلَكَ بَيِّنَةٌ؟» ''تمھارے پاس کوئی دلیل ہے؟'' میں نے عرض کی: نہیں، پھر آپ ﷺ نے یہودی سے پوچھا: «أَتَحْلِفُ؟» ''کیا تو قسم اٹھائے گا؟'' میں جھٹ سے بول پڑا: اللہ کے رسول! وہ (جھوٹی) قسم اٹھا کر

[1] صحيح البخاري، حديث:2416، 2417.

میرا مال لے جائے گا۔ تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ ... ﴾

"بے شک جو لوگ اللہ کا عہد اور اپنی قسمیں تھوڑی قیمت کے بدلے بیچ ڈالتے ہیں، ان لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔" [1]

صالح بن عمر، اعمش سے، وہ شقیق سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ هُوَ فِيهَا فَاجِرٌ لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالًا، لَقِيَ اللَّهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ»

"جس نے قسم اٹھائی اور وہ اس قسم میں جھوٹا ہوتا کہ اس جھوٹی قسم کے ذریعے سے مال حاصل کرے تو وہ قیامت کو اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملے گا کہ اللہ اس پر ناراض ہوگا۔"

اس کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا ... ﴾

"بے شک جو لوگ اللہ کا عہد اور اپنی قسمیں تھوڑی قیمت کے بدلے میں بیچ ڈالتے ہیں۔"

(شقیق رحمہ اللہ کہتے ہیں:) اتنے میں اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آئے اور پوچھنے لگے: ابوعبدالرحمٰن (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) تم سے کیا بیان کر رہے تھے؟ ہم نے ان کی

[1] تفسير ابن كثير: 64/2. آل عمرٰن 3:77، و صحيح البخاري، حديث 2666، 2667.

بیان کردہ حدیث کے متعلق بتایا۔ اشعث رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: یہ آیت خاص میرے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ میرا ایک آدمی سے جھگڑا ہو گیا تھا تو میں اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تمھارے پاس کوئی دلیل ہے؟ میں نے نفی میں جواب دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تب وہ قسم اٹھائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا: «مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِينٍ هُوَ فِيهَا فَاجِرٌ لِّيَقْتَطِعَ بِهَا مَالًا، لَقِيَ اللّٰهَ وَ هُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ» تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ أَيْمٰنِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا...﴾ [1]

سفیان، منصور اور اعمش سے، وہ ابو وائل سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا: عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يَحْلِفُ رَجُلٌ عَلٰى يَمِينِ صَبْرٍ يَقْتَطِعُ مَالًا وَ هُوَ فِيهَا فَاجِرٌ إِلَّا لَقِيَ اللّٰهَ وَ هُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ»

''کوئی آدمی پختہ قسم اس لیے کھاتا ہے تاکہ اس کے ذریعے سے حرام مال حاصل کرے، اگر وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملے گا کہ وہ اس سے ناراض ہوگا۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ أَيْمٰنِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا...﴾

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کر رہے تھے کہ حضرت اشعث رضی اللہ عنہ آ گئے اور

[1] صحيح البخاري، حديث 2357،2356.

فرمایا: یہ آیت میرے اور ایک اور آدمی کے بارے میں اتری تھی۔ میرا اس سے کنویں کے بارے میں جھگڑا ہوگیا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمھارے پاس دلیل ہے؟'' میں نے جواب دیا: نہیں! نبی ﷺ نے فرمایا: ''پھر وہ تمھارے لیے قسم اٹھائے گا۔'' میں نے کہا: تب تو وہ قسم اٹھالے گا؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران کی مذکورہ آیت نازل فرمادی۔[1]

[1] صحيح البخاري، حديث:7184,7183، و صحيح مسلم، حديث:138.

فوائد و اسباق

یہ خارجی کون لوگ ہیں جن سے علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے جنگ کی اور اس جنگ میں سیدنا اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے بھی خارجیوں کے خلاف علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا تھا۔

اسلام کے اندر رونما ہونے والے مختلف فرقوں پر تحقیق و تصنیف کرنے والے تقریباً اس بات پر متفق ہیں کہ اسلام میں پہلا خارجی شخص یزید بن عاصم المحاذی تھا۔ یہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ دونوں فریقوں نے دو منصفوں کے فیصلے پر اتفاق کر کے جنگ بندی کر دی ہے تو یہ اپنے گھوڑے پر بیٹھا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر پر شب خون مارا اور ان کا ایک آدمی قتل کر دیا، پھر بآواز بلند کہنے لگا: لوگو! سن لو، میں علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما سے الگ ہوتا ہوں، نیز ان کے ثالثوں سے بھی براءت کا اعلان کرتا ہوں۔ پھر اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گروہ سے لڑائی شروع کر دی، چنانچہ ہمدان قبیلے کے لوگ آگے بڑھے اور اسے قتل کر دیا۔

اس کے قتل کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ یزید بن عاصم کے گروہ کے پاس آئے اور ان سے کہا: تم لوگ مجھ سے کیا انتقام لینا چاہتے ہو؟ خارجیوں نے کہا: ہمارا آپ سے پہلا انتقام یہ ہے کہ جنگ جمل ہم نے آپ کی قیادت میں لڑی۔ جب جمل (اونٹ) والے (مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا گروہ) شکست کھا گئے تو آپ نے اس لشکر کا مال جو ہمارے

ہاتھ لگا، وہ ہمارے لیے جائز قرار دے دیا تھا لیکن ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنانے سے روک دیا تھا۔ آپ نے ان کا مال کس دلیل کی بنا پر حلال سمجھا اور عورتوں اور بچوں کو کیوں حلال نہ سمجھا؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں نے ان کے اموال صرف اس چیز کے بدلے میں حلال کیے تھے جو انھوں نے میرے آنے سے پہلے بصرہ کے بیت المال سے لوٹ مار کی تھی۔ عورتوں اور بچوں نے ہمارے خلاف جنگ نہیں کی تھی، اس لیے ان کے حق میں اسلام کا یہی حکم ہے کہ انھیں دارالاسلام کے حکم میں رکھا جائے، انھیں غلام نہ بنایا جائے۔ ان سب امور کے باوجود اگر میں تمھیں اجازت دے دوں کہ تم عورتوں کو لونڈیاں بنالو تو بتاؤ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو کون لونڈی بناتا؟

خارجیوں سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو شرمندگی سے ان کے سر جھک گئے۔ مگر ڈھیٹ پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگے:

ہم آپ سے اس بات کا بھی انتقام لیتے ہیں کہ آپ نے معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ معاہدے کی تحریر میں جب انھوں نے آپ کے نام کے ساتھ: إِمْرَةِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ (امیر المومنین علی کی امارت میں) لکھنے پر جھگڑا کیا تو آپ نے یہ لقب کیوں مٹا دیا؟

علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا: میں نے یہ بعینہ اسی طرح کیا ہے جیسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر کیا تھا جب سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا: اگر میں آپ کو رسول مانتا ہوتا تو آپ سے جھگڑا نہ کرتا، البتہ آپ اپنے اور اپنے والد کے نام سے صلح نامہ لکھیں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا تھا:

«هٰذَا مَا صَالَحَ عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَ سُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو»

”یہ (وہ شروط ہیں) جن پر محمد بن عبد اللہ (ﷺ) اور سہیل بن عمرو کے مابین صلح طے پائی ہے۔“

خارجیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ایک یہ اعتراض جڑا کہ آپ نے دونوں منصفین سے یہ کیوں کہا کہ اگر میں خلافت کا اہل ہوا تو مجھے برقرار رکھو کیونکہ اگر آپ کو خود اپنی خلافت میں شک ہے تو دوسروں کو اس کے بارے میں بالا ولیٰ شک ہوگا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس سے میرا مقصد صرف معاویہ رضی اللہ عنہ سے انصاف کرانا تھا۔ اگر میں منصفین سے کہتا کہ خلافت کا فیصلہ میرے حق میں کرنا تو معاویہ رضی اللہ عنہ اس پر کبھی راضی نہ ہوتے۔ اس کی دلیل بھی رسول اللہ ﷺ کے عمل سے ملتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس نجران سے عیسائیوں کا وفد آیا۔ جب وہ دعوت اسلام قبول نہیں کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے انھیں مباہلے کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا تھا:

﴿تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝﴾

”ہم اپنے بیٹوں اور تمھارے بیٹوں، اپنی عورتوں اور تمھاری عورتوں اور اپنے آپ کو اور تم کو بلاتے ہیں، پھر ہم مل کر گڑگڑاتے ہیں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت (کی بددعا) کرتے ہیں۔“ [1]

اس طریقے سے رسول اللہ ﷺ نے عیسائیوں کو میدان میں اپنے برابر لا کھڑا کیا تھا۔ اگر آپ ﷺ ان سے فرماتے: میں اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر تم پر اللہ کی لعنت کی بددعا کرتا ہوں تو اس سے عیسائی بالکل راضی نہ ہوتے۔ میں نے بھی اسی لیے معاویہ رضی اللہ عنہ

[1] آل عمرٰن 61:3.

کو اپنے برابر کا سمجھ کر یہ فیصلہ کرایا تھا جبکہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرف سے مجھے کسی دھوکے کا ڈر نہیں تھا۔

خارجی تو علی رضی اللہ عنہ کے انتہائی مخالف ہو چکے تھے، لہٰذا انھوں نے ایک اور اعتراض یہ داغا کہ آپ نے ان منصفین سے اپنے حق کے بارے میں فیصلہ کیوں کروایا، حالانکہ وہ آپ ہی کا حق تھا؟

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اس کے بارے میں بھی میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے رہنمائی موجود ہے۔ بنو قریظہ کی بدعہدی کے بعد ان کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے فیصلہ کروایا تھا۔ اگر آپ چاہتے تو ایسا نہ کرتے۔ اسی طرح میں نے بھی ایک قاضی مقرر کیا ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاضی نے تو عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا تھا مگر میرا قاضی دھوکے میں آ گیا اور اس کا نتیجہ تم سب دیکھ رہے ہو۔ علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کوئی اور اعتراض ہے؟ وہ بظاہر خاموش ہو گئے مگر یہ خاموشی رضامندی کی علامت نہیں تھی بلکہ بعض خارجیوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنالیا تھا۔

حرقوص بن زہیر نامی خارجی مجمع سے باہر آیا اور کہنے لگا: اے ابوطالب کے بیٹے! اللہ کی قسم! آپ کو قتل کر کے ہمیں اللہ کی رضا اور دار آخرت مطلوب ہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: تیری مثال اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مصداق ہے:

﴿ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ ﴾

''کیا ہم تمھیں اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارہ پانے والے بتائیں؟

جن کی سعی دنیاوی زندگی میں اکارت گئی، جبکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یقیناً وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔'' [1]

رب کعبہ کی قسم! تم بھی انھی لوگوں میں سے ہو، پھر علی رضی اللہ عنہ نے ان سے سخت جنگ کی اور انھیں تباہ و برباد کر دیا۔ [2]

کیا خوارج اس جنگ سے ختم ہو گئے تھے اور ان کی سرگرمیاں تھم گئی تھیں؟

خوارج تو آج تک موجود ہیں اور امت مسلمہ کے درمیان رہ رہے ہیں۔ بس ان کا کام امت مسلمہ کی اجتماعیت کو ختم کرنا اور ان کی وحدت کو پارہ پارہ کرنا ہے۔

ایک عام اور سادہ سا اصول ذہن نشین رہنا چاہیے کہ جب امت مسلمہ ایک جماعت کی شکل میں متحد ہو تو ان میں تفرقہ ڈالنے والا کوئی خارجی ہی ہوگا، اسی طرح جو مسلمانوں کو کافر کہے، ان کا خون بہانا جائز سمجھے، وہ بھی خارجی ہی ہوتا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی صفات بیان فرمادی تھیں۔ جس زمانے میں ان کا ظہور ہوگا، اس کی بھی راہنمائی فرمادی تھی۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

«بَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَقْسِمُ قَسْمًا إِذْ جَاءَهُ ذُو الْخُوَيْصِرَةِ التَّمِيمِيُّ فَقَالَ: اعْدِلْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ!»

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی شے تقسیم فرما رہے تھے کہ اچانک آپ کے پاس ذوالخویصرہ تمیمی آ گیا اور کہنے لگا: اللہ کے رسول! عدل و انصاف سے کام لیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تجھے برباد کرے! اگر میں عدل نہ کروں گا تو پھر کون عدل کرے گا۔''

[1] الكهف 18:103، 104. [2] البدء والتاريخ: 1/324، و تاريخ اليعقوبي: 1/184.

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کے رسول! آپ مجھے اجازت دیں کہ میں اس کی گردن تن سے جدا کردوں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«دَعْهُ، فَإِنَّ لَهُ أَصْحَابًا يَحْقِرُ أَحَدُكُمْ صَلَاتَهُ مَعَ صَلَاتِهِمْ، وَ صِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِمْ، يَقْرَؤُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ»

"دفعہ کرو! اس کے تو ایسے ایسے ساتھی ہوں گے کہ تم ان کی نمازوں کے مقابلے میں اپنی نمازوں کو حقیر اور ان کے روزے کے مقابلے میں اپنے روزے کو کم تر سمجھو گے۔ یہ لوگ دین سے ایسے خارج ہو جائیں گے جیسے شکار سے تیر صاف نکل جاتا ہے۔" [1]

اس بدبخت آدمی کی نسل امت اسلامیہ میں ہمیشہ پلتی بڑھتی رہی ہے۔ یہ لوگ بہت سخت دل اور بے مروت ہوتے ہیں۔ قرآن پڑھتے ہیں مگر وہ ان کے حلقوں سے نیچے نہیں اترتا۔

امت اسلامیہ کو آج ایک نئے علی بن ابی طالب کی ضرورت ہے جو پندرھویں صدی کے خارجیوں کو سبق سکھائے اور امت مسلمہ کو ان سے پاک کرے جیسا کہ پہلی صدی ہجری میں شہسواروں کے شہسوار علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان کا صفایا کردیا تھا۔ ہمیں آج ایسے بہادر آدمی کی اشد ضرورت ہے۔ ہمیں ایسے بہادر شہسوار کا شدید انتظار رہے گا۔

اللہ ہی سیدھے راستے کی راہنمائی کرتا ہے۔

[1] صحيح البخاري، حديث: 3610، و صحيح مسلم، حديث: 1064-(148).

سیدنا قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ

ساتویں آیت

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا○ وَمَنْ یَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا یَكْسِبُهٗ عَلٰی نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا○ وَمَنْ یَّكْسِبْ خَطِیْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ یَرْمِ بِهٖ بَرِیْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا○﴾

"اور جو شخص برا عمل کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے، پھر وہ اللہ سے بخشش مانگے تو وہ اللہ کو بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا پائے گا۔ اور جو شخص کوئی گناہ کرتا ہے تو بے شک اس کی یہ کمائی اسی کے لیے وبال ہوگی، اور اللہ خوب جاننے والا، بہت حکمت والا ہے۔ اور جو شخص کوئی خطا یا گناہ کرتا ہے، پھر کسی بے گناہ پر اس کا الزام لگا دیتا ہے تو (ایسا کر کے) وہ ایک بڑے بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ اٹھاتا ہے۔" [1]



[1] النسآء 4:110-112۔



آیات کے بارے میں علماء کے اقوال

اکثر مفسرین اور محدثین نے کہا ہے کہ ان آیات کے نزول کا سبب قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی وہ بات ہے جو انھوں نے اپنے چچا رفاعہ کے کھانے اور اسلحے کی چوری کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی تھی۔

اس کے لیے جامع الترمذي کی کتاب التفسیر کی حدیث: 3039، تفسیر الطبري، حوالہ: 10411، المستدرك للحاكم: 385/4، الاستيعاب في معرفة الأصحاب، ص: 608 اور تفسير الدر المنثور: 76/2 کا مطالعہ مفید رہے گا۔

اب ہم اپنے معزز قارئین کو سیدنا قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے حالات سے روشناس کراتے ہیں۔ اس کے لیے ہم قارئین سمیت تاریخ کے اوراق الٹتے پلٹتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے جاں نثار صحابی سے ملاقات کرتے ہیں۔

سیدنا قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے بچپن اور جوانی کے حالات وواقعات سے تاریخ کے اوراق ہمیں خالی ملتے ہیں حتی کہ قبول اسلام سے پہلے تک کے چند ایام کا علم نہیں۔ تاریخ ان کی شخصیت سے اچانک واقف ہو کر حیران ہو جاتی ہے جب وہ قتادہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کا پہلا واقعہ رقم کرتی ہے۔ اس موقع پر وہ ایک بابرکت قافلے میں شریک ہوتے ہیں۔

یہ قافلہ مکہ مکرمہ جانے کی تیاری کر رہا ہے۔ اس قافلے میں ستر افراد شریک ہیں۔ یہ لوگ اپنے مال، کھیتی باڑی اور بیوی بچے سب کچھ پیچھے یثرب (مدینہ) میں چھوڑ کر رسول امین محمد بن عبد اللہ ﷺ سے ملاقات کے لیے جا رہے ہیں۔ اس مبارک سفر میں ان کے ہمراہ دو خوش قسمت خواتین ام عمارہ نُسَیبہ بنت کعب اور اسماء بنت عمرو بن عدی بھی ہیں۔

سواریوں کی پیٹھوں پر سوار یہ قافلہ جانب مکہ رواں دواں ہے۔ چلتے چلتے یہ قافلہ مکہ پہنچ گیا اور قافلے والوں نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ آپ کے چچا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ دوران ملاقات قتادہ رضی اللہ عنہ عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی گفتگو بڑے غور سے سن رہے تھے۔ وہ فرما رہے تھے: خزرجی بھائیو![1] محمد ﷺ کا ہمارے ہاں جو مقام و مرتبہ ہے اسے تم خوب اچھی طرح جانتے ہو۔ ہم نے اپنی قوم، جو تا حال (دینی نقطۂ نظر سے) ہمارے جیسی رائے رکھتے ہیں، سے انھیں زبردست تحفظ فراہم کیا ہے۔ آپ ﷺ اپنی قوم میں انتہائی باعزت اور اپنے شہر میں محفوظ و مامون ہیں۔

عباس رضی اللہ عنہ نے مزید فرمایا: محمد ﷺ نے تمھارے ہاں جانے کا عزم کر لیا ہے۔ اگر تم نبی ﷺ کو اپنے ہاں بلا کر آپ ﷺ سے کیے گئے وعدوں کی وفا کرو گے اور مخالفین سے آپ ﷺ کی حفاظت کرو گے تو پھر اس ذمہ داری کو اٹھا سکتے ہو اور اگر تم خیال کرو کہ محمد ﷺ تمھارے پاس چلے جائیں گے تو تم ان کی نصرت و حمایت چھوڑ دو گے اور حفاظت نہیں کرو گے تو ابھی سے چھوڑ سکتے ہو۔ آپ ﷺ یقیناً اپنی قوم اور اپنے شہر میں باعزت اور محفوظ ہیں۔

[1] خزرجی بھائیوں سے مراد تمام انصاری ہیں۔ عرب انصار کے قبیلے کو خزرج بھی کہہ دیتے ہیں، خواہ وہ اوس ہوں یا خزرج۔ مسند احمد کی زیر نظر حدیث میں یہ وضاحت موجود ہے۔

سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ نے جو بات کہی ہے، ہم نے سن لی ہے۔ اے اللہ کے رسول! آپ ارشاد فرمائیں اور اپنے لیے اور اپنے رب کے لیے جو چاہیں ہم پر عائد کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بات شروع کی، قرآن کریم کی تلاوت فرمائی اور ہمیں اسلام کی ترغیب دی، پھر فرمایا:

«أُبَايِعُكُمْ عَلٰى أَنْ تَمْنَعُونِي مِمَّا تَمْنَعُونَ مِنْهُ نِسَاءَكُمْ وَ أَبْنَاءَكُمْ»

''میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم نے میری اسی طرح حفاظت کرنی ہے جیسے تم اپنے اہل وعیال کی حفاظت کرتے ہو۔''[1]

قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں بیعت کے لیے اٹھنے لگا تو مجھ سے پہلے براء بن معرور رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک پکڑ لیا اور کہنے لگے: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث فرمایا ہے! ہم ضرور آپ کی حفاظت اسی طرح کریں گے جیسے ہم اپنی عورتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اے اللہ کے رسول! ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! ہم جنگجو لوگ ہیں اور اسلحے کے دھنی ہیں۔ یہ اسلحہ اور بہادری ہمیں ہمارے آباء واجداد سے ورثے میں ملی ہے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ ابھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کر رہے تھے کہ ان کی بات کاٹتے ہوئے ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! ہمارے اور لوگوں (یہود) کے درمیان معاہدہ ہے جسے ہم ختم کرنے جا رہے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم یہود سے معاہدہ بھی توڑ دیں اور اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ عطا کرے تو آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم میں واپس آ جائیں؟

[1] مسند أحمد: 462/3، وصحيح ابن حبان: 178/15، حديث: 7011. سیدنا قتادہ کا ذکر مذکورہ حوالوں میں نہیں ہے۔

قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرماتے ہوئے کہا:

«بَلِ الدَّمُ الدَّمُ، وَالْهَدْمُ الْهَدْمُ، أَنَا مِنْكُمْ وَ أَنْتُمْ مِنِّي، أُحَارِبُ مَنْ حَارَبْتُمْ وَ أُسَالِمُ مَنْ سَالَمْتُمْ»

''بلکہ تمھارا خون ہمارا خون ہے، تمھاری جنگ ہماری جنگ ہوگی۔ میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔ میری اس سے لڑائی ہے جس سے تمھاری لڑائی ہے اور میری اس سے صلح ہے جس سے تمھاری صلح ہے۔''[1]

یہ بابرکت بیعت جس میں اللہ کے نورانی فرشتے بھی حاضر ہوتے تھے، مکمل ہوگئی۔ اسلام کے داعیوں کا یہ قافلہ مدینہ منورہ واپسی کے لیے چل پڑا۔ سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ بھی قافلے کے ساتھ تھے۔ اب واپسی پر یہ پہلے والے انسان نہیں رہے تھے جو مدینہ سے نکلتے وقت تھے۔ انھوں نے اپنے نفس اور دل کو جاہلیت کی تمام بیماریوں حسد، کینہ اور خیانت سے پاک رکھنے کا خاص اہتمام کیا، نیز مال اور رزق کی تطہیر کا بھی خاص اہتمام کیا۔ ہمیشہ حلال مال حاصل کیا اور حلال ہی کھایا۔ ان کی نظر میں تمام انسان برابر تھے کیونکہ سب انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے۔ اس اصول کو مدنظر رکھا جائے تو حسب ونسب کے لحاظ سے کوئی شخص دوسرے پر فوقیت نہیں رکھتا۔ اسی طرح مال اور جاہ وجلال میں ایک دوسرے پر برتری بے معنی چیز ہے۔ ہاں ایک دوسرے سے ممتاز کرنے اور فضیلت دینے والی شے تقویٰ اور عمل صالح ہے۔

قتادہ رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے ان کی اہلیہ اور اولاد نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ اب پورے

[1] مسند أحمد:3/462، والسيرة النبوية لابن هشام:2/291.

گھرانے نے دوسرے لوگوں کو بھی اس نئے دین میں شمولیت کی دعوت دینی شروع کردی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ لوگوں کو رسول کریم ﷺ کی مدینہ آمد کی خوشخبری بھی سناتے تھے۔ رسول کریم ﷺ کی آمد کے انتظار میں دن آہستہ آہستہ گزر رہے تھے۔ آخر ایک دن رسول اللہ ﷺ کی آمد کی خبر سنائی دی۔ قتادہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی ملاقات کے لیے اپنے اہل و عیال اور دوست احباب سمیت آنکھیں فرشِ راہ کیے ہوئے تھے۔

جب مسجد نبوی شریف کی تعمیر کا مرحلہ آیا تو سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ نے بھی مہاجرین و انصار کے ساتھ مل کر تعمیر میں حصہ لیا۔ یہی مسجد بعد میں ایک قلعے کی شکل اختیار کر گئی، اسی مسجد سے نامور اور بہادر لوگ تیار ہوتے تھے اور زندگی کے مختلف شعبوں کے پروگرام طے پاتے تھے۔ اسی مسجد میں نمازوں کا اہتمام ہوتا تھا اور لوگ دین سیکھتے تھے۔ مسجد ہی میں قتادہ رضی اللہ عنہ شریعت اور اصول دین کی تعلیم پاتے رہے۔ اسی مسجد میں اسلامی فوج کے دستے تیار ہوتے اور مسلمانوں اور کفار کے درمیان معرکوں کے امور کی تشکیل ہوتی تھی۔ ہجرت کے بعد اور رسول اللہ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کے دن سے سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر کے ایک بہادر سپاہی اور ایسے نامور شہسوار بنے جن کے مقابلے کی کوئی تاب نہ لاسکتا تھا، پھر وہ ایسے مومن صادق بنے جو ہر وقت شہادت کے طلب گار، دین کے مددگار اور کلمۂ توحید کی سربلندی کے متمنی رہتے تھے۔ ان کے دل کی مراد برآئی اور رحمٰن کے لشکر اور شیطان کے پیروکاروں کے درمیان غزوۂ بدر کا پہلا معرکہ پیش آ گیا۔ ایک مسلمان فوجی سے اس کا ایمان جو تقاضا کرتا ہے، قتادہ رضی اللہ عنہ نے وہ کردار بحسن و خوبی انجام دیا۔ اس معرکے میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور کفار شکست کے زخم چاٹنے پر مجبور ہوئے۔

پھر احد کا معرکہ پیش آ گیا۔ اس جنگ میں بعض مسلمانوں نے اپنے قائد اعلیٰ کے حکم کی مخالفت کی۔ انھیں دنیا کے مال نے دھوکے میں مبتلا کر دیا۔ انھوں نے دیکھا کہ کفار شکست کھا کر بھاگ رہے ہیں۔ مسلمان فتح حاصل کر چکے ہیں تو انھوں نے پہاڑی مورچہ چھوڑ دیا اور غنیمتیں اور کفار کا چھوڑا ہوا ساز و سامان اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔

مشرکوں نے مسلمانوں کی غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان پر دھاوا بول دیا۔ مسلمانوں میں افراتفری پھیل گئی اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ کافروں نے ان پر پیچھے سے حملہ کیا تھا جس سے مسلمان درمیان میں پھنس گئے اور ان کی شہادتیں واقع ہونے لگیں حتی کہ مشرک رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے لیے پیش قدمی کرنے لگے۔

ابی بن خلف آگے بڑھا اور پوچھنے لگا: محمد (ﷺ) کہاں ہے، میں بچوں گا یا وہ......!!

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی: اے اللہ کے رسول! ہم اس پر حملہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں! اسے آنے دو۔ جب وہ بدبخت اور قریب آ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ سے نیزہ لے کر اس کا نشانہ لیا اور اس کی گردن میں چبھو دیا۔ بس اسی زخم سے اللہ کا یہ دشمن مکہ جاتے ہوئے واصل جہنم ہو گیا۔

مشرکین بڑھ چڑھ کر حملہ کر رہے تھے، تاہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کو گھیرے میں لیے رکھا اور آپ کی حفاظت اپنی جانوں سے بڑھ کر کی۔ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ ڈھال بن کر رسول اکرم ﷺ پر جھکے رہے۔ کثیر تعداد میں تیر ان کی پشت پر پیوست ہوتے رہے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ کی حفاظت میں زبردست تیر اندازی کر رہے تھے۔ سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول کریم ﷺ مجھے تیر پکڑا رہے تھے

اور ساتھ ساتھ فرما رہے تھے:

«اِرْمِ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي»

''سعد! کافروں پر تیر برسائیں، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں!''[1]

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ ﷺ مجھے ایسا تیر پکڑا دیتے جس کے پھل (لوہا) نہ لگا ہوتا مگر آپ یہی فرماتے: ''اسے بھی کافروں پر برساؤ۔''

سیدنا قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار لے کر مشرکین و کفار کے لشکر کو دُور بھگانے لگے حتی کہ انھیں رسول اللہ ﷺ سے دور ہٹا دیا۔ اب تیروں کا رخ انھی کی طرف ہوگیا اور کفار کی تلواریں انھی کی طرف بلند ہونے لگیں حتی کہ ان کا جسم زخموں سے بھر گیا۔ انھوں نے ان تمام تکالیف کو رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں دی۔

احد کا یہ معرکہ انتہا کو پہنچا چاہتا تھا اور کفر کے لشکر بھاگنے کو تھے کہ قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ کا ڈیلہ باہر نکل آیا اور اس کا پانی رخسار پر ڈھلک گیا۔ قتادہ رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ کے قریب آئے اور عرض کرنے لگے: اللہ کے رسول! میری ایک بیوی ہے، مجھے اس سے بہت محبت ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ اگر وہ مجھے اس حالت میں دیکھ لے تو مجھ سے نفرت کرنے لگے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے آنکھ کا ڈیلہ اپنے دست مبارک سے اس کی جگہ پر رکھ کر اس کے اوپر اپنا مبارک ہاتھ پھیر دیا، پھر دعا کی: «اَللّٰهُمَّ! اكْسِبْهَا جَمَالًا» ''اے اللہ! اس آنکھ کو خوبصورت بنادے۔'' اس کے بعد ان کی آنکھ خوبصورت اور نظر تیز ہوگئی۔[2]

---

[1] المستدرك للحاكم: 367/2، حديث: 2472، و البداية والنهاية: 30/4. [2] الاستيعاب: 394/1، والطبقات: 452/3.

اصمعی نے ابومعشر مدنی سے بیان کیا ہے کہ ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم اہل مدینہ کا دفتر لے کر عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خدمت میں پہنچا۔ یہ قتادہ بن نعمان کی آل میں سے ایک شخص تھا۔

جب یہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس آئے تو انھوں نے پوچھا: آپ کا تعارف کیا ہے؟ انھوں نے شعروں میں جواب دیا۔

أَنَا ابْنُ الَّذِي سَالَتْ عَلَى الْخَدِّ عَيْنُهُ
فَرُدَّتْ بِكَفِّ الْمُصْطَفٰى أَحْسَنَ الرَّدِّ
فَعَادَتْ كَمَا كَانَتْ لِأَوَّلِ أَمْرِهَا
فَيَا حُسْنَ مَا عَيْنٌ وَّيَا حُسْنَ مَا رَدٍّ

''میں اس کا بیٹا ہوں جس کی آنکھ اس کے رخسار پر ڈھلک گئی تھی تو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت ہتھیلی کے ساتھ واپس اپنی جگہ پر رکھ دی گئی اور یہ کتنی خوبصورت واپسی تھی۔''

''وہ آنکھ پہلے جیسی ہوگئی تھی۔ یہ کس قدر خوبصورت آنکھ تھی اور یہ کس قدر خوبصورت واپسی تھی!''

اس کے جواب میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا۔

تِلْكَ الْمَكَارِمُ لَا قُعْبَانَ مِنْ لَبَنٍ
شَيْبًا بِمَاءٍ فَعَادَتْ بَعْدُ أَبْوَالًا

''یہ پہلوں کے فضائل تھے، کوئی دودھ کا پیالہ نہیں تھا جس میں پانی ملا دیا گیا ہو،

پھر اس کے بعد (پینے کے بعد) تو وہ بول (پیشاب) ہی بن جاتا ہے۔"[1]

سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے قریب رہتے تھے۔ سفر وحضر میں کبھی آپ کا ساتھ نہیں چھوڑتے تھے۔ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز کے لیے تشریف لائے۔ رات خاصی اندھیری تھی اور بادل چھائے ہوئے تھے۔ اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ نے قتادہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو پوچھا: "قتادہ ہے؟" انھوں نے جواب دیا: جی ہاں! اے اللہ کے رسول! میں نے خیال کیا کہ آج رات عشاء کی نماز میں حاضری کم ہوگی، لہٰذا میں نے چاہا کہ میں (اللہ کے رسول ﷺ کی حفاظت کی خاطر) عشاء کی نماز میں ضرور حاضر ہوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے قتادہ سے فرمایا: جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو جانے سے پہلے میرے پاس آنا۔ جب وہ جانے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں کھجور کی ایک ٹہنی دی اور فرمایا:

«خُذْ هَا فَسَيُضِيءُ أَمَامَكَ عَشْرًا وَّ خَلْفَكَ عَشْرًا»

"یہ ٹہنی لے لو، یہ تمھارے سامنے دس ہاتھ اور اسی طرح پیچھے بھی دس ہاتھ تک روشنی دے گی۔"[2]

درحقیقت یہ ان کے ایمان کی روشنی تھی۔ یہ تقویٰ کی روشنی تھی جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے عنایت کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] البداية والنهاية: 38/4، و الوافي بالوفيات: 227/7. [2] الاستيعاب، ص: 608، 609، القول الأقوم في معجزات النبي الأكرم: 337/1.

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝ ﴾

''اور جس کے لیے اللہ نے نور نہیں بنایا تو اس کے لیے (کہیں بھی) کوئی نور نہیں۔'' [1]

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۗ ﴾

''کیا پھر جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے، اور وہ اپنے رب کی طرف سے روشنی پر ہے، (وہ سخت اور تنگ دل کافر جیسا ہوسکتا ہے؟)'' [2]

جب اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کا سینہ کھول دیتا ہے، نور ایمان سے منور کر دیتا ہے تو اسے عبادات میں سے فرائض کی ادائیگی کی خصوصی توفیق سے نوازتا ہے۔ ان عبادات میں اولیت نماز کو ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝ ﴾

''بے شک مومنوں پر مقررہ وقتوں میں نماز فرض ہے۔'' [3]

نماز کی فضیلت و اہمیت بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي الْجَمَاعَةِ تَضْعَفُ عَلٰى صَلَاتِهِ فِي بَيْتِهِ وَ فِي سُوقِهِ خَمْسًا وَّ عِشْرِينَ دَرَجَةً، وَ ذٰلِكَ أَنَّهُ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا الصَّلَاةُ، لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً إِلَّا رُفِعَ لَهُ بِهَا دَرَجَةٌ، وَ حُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةٌ، فَإِذَا صَلّٰى

[1] النور 40:24. [2] الزمر 22:39. [3] النسآء 103:4.

لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّي عَلَيْهِ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ، اللّٰهُمَّ! صَلِّ عَلَيْهِ، اللّٰهُمَّ! ارْحَمْهُ»

''آدمی کی جماعت کے ساتھ ادا کی گئی نماز اس آدمی کی نماز سے پچیس درجے فضیلت رکھتی ہے جو وہ اپنے گھر یا بازار ہی میں پڑھ لیتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ بندہ جب اچھی طرح وضو کرتا ہے، پھر صرف نماز ہی کے لیے گھر سے نکلتا ہے تو وہ جو بھی قدم اٹھاتا ہے تو اس کے ہر قدم کے بدلے میں اس کا ایک درجہ بلند کر دیا جاتا ہے اور اس کی ایک خطا معاف کر دی جاتی ہے، پھر جب وہ نماز پڑھ کر فارغ ہو جاتا ہے تو جب تک اپنی نماز کی جگہ پر بیٹھا رہتا ہے، فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں: اَللّٰهُمَّ! صَلِّ عَلَيْهِ (اے اللہ! اس پر رحمتیں برسا) اَللّٰهُمَّ! ارْحَمْهُ (اے اللہ! اس پر رحم فرما)۔''

ایک روایت میں دعا کے یہ الفاظ مذکور ہیں:

«اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْ لَهُ، اَللّٰهُمَّ! تُبْ عَلَيْهِ»

''اے اللہ! اس کی بخشش فرما، اے اللہ! اس پر رجوع فرما۔''[1]

سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ ایسا ہی کرتے تھے۔ وہ نماز باجماعت کا اہتمام کرتے، مسجد میں ہمیشہ اول وقت پہنچتے اور قرآن کریم کی تلاوت کا اہتمام کرتے تھے۔ قرآن کی آیات میں بڑا فکر و تدبر کرتے تھے۔ انھوں نے سورۃ الاخلاص کی تلاوت کی ہمیشگی قائم رکھی۔ یہ سورۂ مبارکہ ایک تہائی قرآن کے ثواب کے برابر ہے۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: ایک آدمی نے دوسرے شخص سے سنا جو لگاتار ﴿ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴾ کی

[1] صحيح مسلم، حديث:649، سنن أبي داود، حديث:559.

تلاوت کرتا رہا۔ جب صبح ہوئی تو وہ آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور گزشتہ رات والی بات بیان کی۔ دراصل وہ آدمی اس سورت کی تلاوت کو معمولی خیال کر رہا تھا مگر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! إِنَّهَا لَتَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ»

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! بے شک یہ سورت ایک تہائی قرآن کے مساوی ہے۔''[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک اور سند سے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا: مجھے یہ خبر میرے بھائی قتادہ بن نعمان نے نبی ﷺ سے بیان کی ہے۔[2]

ایک روایت میں مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

«أَيَعْجِزُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَقْرَأَ ثُلُثَ الْقُرْآنِ فِي لَيْلَةٍ؟»

''کیا تم ایک رات میں ایک تہائی قرآن پڑھنے سے عاجز آگئے ہو؟''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ عمل ذرا مشکل محسوس ہوا تو کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کون اتنی طاقت رکھتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝﴾ کی تلاوت ایک تہائی قرآن کے ثواب کے برابر ہے۔[3]

سورۂ اخلاص سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ کے حافظے میں ہمیشہ محفوظ رہی، وہ اسے کبھی بھولے نہیں۔ یہ ایسی سورت ہے جس سے مکمل نظام حیات تشکیل پاتا ہے۔

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 6643. [2] صحيح البخاري، حديث: 7374. [3] صحيح البخاري، حديث: 5015، والموطا: 71/1، وسنن أبي داود: 1461، وسنن النسائي: 997,996.

سیدنا قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی زندگی نور علی نور سے عبارت تھی۔ وہ اپنے رب کی کتاب سے روشنی حاصل کرتے اور اللہ کے نبی ﷺ کی زندگی سے راہنمائی لیتے تھے۔

فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں دس ہزار قدسیوں کا لشکر مکہ کی جانب رواں دواں تھا۔ بنوظفر کا جھنڈا حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے تھام رکھا تھا۔ ان کا دل چاہتا تھا کہ زمین گھوڑوں کی ٹاپوں تلے لپٹتی چلی جائے تاکہ یہ جلد مکہ پہنچ کر اللہ کے باعزت گھر کو بتوں اور مورتوں سے پاک کر دیں۔ ان بتوں کے ذریعے سے اللہ پر بہتان گھڑے جا رہے ہیں اور بہت زیادہ گمراہی پھیل رہی ہے۔

رسول کریم ﷺ اور مسلمانوں کو بہت بڑی فتح ملی اور کعبے میں بتوں سمیت جو کچھ بھی تھا اسے نکال کر بیت اللہ کو پاک کر دیا گیا۔ قتادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو کعبے کے دروازے پر کھڑے دیکھا۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، صَدَقَ وَعْدَهُ وَ نَصَرَ عَبْدَهُ وَأَعَزَّ جُنْدَهُ، وَ هَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ. يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! مَا تَرَوْنَ أَنِّي فَاعِلٌ فِيكُمْ؟ قَالُوا خَيْرًا، أَخٌ كَرِيمٌ وَّ ابْنُ أَخٍ كَرِيمٍ قَالَ ﷺ: اِذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ»

"اللہ کے سوا کوئی برحق معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی، اپنے لشکر کو عزت بخشی اور اکیلے اللہ نے تمام لشکروں کو شکست دی۔ اے قریش کی جماعت! کیا خیال ہے، میں تمھارے ساتھ کیا سلوک کرنے جا رہا ہوں؟ ان سب نے کہا: آپ ہمارے ساتھ اچھا سلوک ہی کریں گے۔ آپ ہمارے معزز بھائی ہیں اور معزز

بھائی کے بیٹے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ، تم سب آزاد ہو تم سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلنے والے الفاظ قتادہ رضی اللہ عنہ کے کانوں سے ٹکرائے تو وہ بے اختیار اللہ کے کلام کے یہ الفاظ دہرانے لگے:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾

''اور یقیناً آپ خُلقِ عظیم پر (کاربند) ہیں۔''[2]

یہ رسول کریم ﷺ کا خلق عظیم ہی تھا کہ آپ نے اپنے دشمنوں کو معاف کر دیا، حالانکہ انھی لوگوں نے آپ ﷺ کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا تھا۔ جب آپ ﷺ کو قدرت و طاقت مل گئی تو آپ نے لمحہ بھر کے لیے بھی انھیں تکلیف دینے کا نہیں سوچا جبکہ انھوں نے آپ ﷺ کو ہمیشہ تکلیفیں دی تھیں۔ آپ ﷺ کی بے عزتی کی اور آپ پر جھوٹے الزامات لگائے تھے۔

رسول کریم ﷺ سراپا رحمت بن کر آئے تھے۔ آپ ﷺ نے پریشان حال لوگوں کی پریشانیاں دور کیں۔ آپ ایسے منصف اور امین تھے جنھوں نے مالداروں اور محتاجوں کے درمیان برابری کی فضا پیدا کر دی۔ یہی وہ چیز تھی جس نے قتادہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور رسول اللہ ﷺ پر فدا ہونے کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنا آسان بنا دیا تھا۔

فتح مکہ کے بعد بھی کچھ مہمات اور واقعات رونما ہوتے رہے یہاں تک کہ حجۃ الوداع کے موقع پر اللہ کا دین مکمل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچا دیا گیا۔

[1] البداية والنهاية 4/300,299. [2] القلم 68:4.

بعدازاں وقت مقرر آن پہنچا اور اللہ کے رسول ﷺ فوت ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ کے یار غار ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آپ سے جا ملے۔

قتادہ رضی اللہ عنہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت میں 23 ھ میں فوت ہوئے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی، ان کے ماں جائے بھائی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے انھیں لحد میں اتارا۔ ہم اللہ عَلِیُّ الْقَدِیر سے دعا کرتے ہیں کہ وہ انھیں اپنی وسیع جنتوں میں جگہ دے اور انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کی جو خدمت کی اس کے صلے میں انھیں شہداء اور صالحین کا ساتھ نصیب فرمائے، آمین!

آیات کی شانِ نزول

قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ہمارے ہاں بنو اُبَیرق (ابیرق آدمی کے بیٹے) نامی ایک گھرانہ آباد تھا۔ ابیرق کے بیٹوں کے نام یہ تھے: بشر، بشیر اور مُبَشّر۔ ان میں سے بشیر منافق آدمی تھا۔ یہ شعروں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہجو کرتا تھا اور ان شعروں کو کسی عرب شاعر کے نام منسوب کر دیتا تھا کہ یہ شعر فلاں فلاں شاعر کے ہیں۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک یہ شعر پہنچتے تو وہ کہتے: اللہ کی قسم! یہ شعر اسی منافق خبیث کے ہیں۔ علاوہ ازیں کبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یوں بھی کہہ دیتے: اُبیرق کے بیٹے ہی نے یہ شعر کہے ہیں۔

ابیرق کی اولاد جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں فقیر اور تنگ دست رہی ہے۔ اس زمانے میں اہل مدینہ کی عام خوراک کھجور اور جَو تھی۔ اگر کسی کے پاس کچھ کشائش ہوتی اور تاجر آٹا لے کر مدینہ آتے تو یہی بشیر منافق ان سے آٹا خرید کر اپنے لیے مخصوص کر لیتا۔ دیگر اہل و عیال کھجور اور جَو ہی پر گزارا کرتے۔

سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک دفعہ شام سے تاجر آئے تو میرے چچا رفاعہ بن زید نے آٹے کی ایک بوری خرید لی اور اسے اپنے کمرے میں رکھ دیا۔ کمرے میں زرع، تلوار اور دیگر اسلحہ بھی رکھا ہوا تھا۔ رات کو چور آیا اور اس نے گھر سے مال چرا لیا۔

ساتھ ہی کمرے میں نقب لگائی اور کھانا اور اسلحہ بھی لے گیا۔

صبح ہوئی تو میرا چچا میرے پاس آیا اور کہنے لگا: بھتیجے! رات ہمارے گھر سے چوری ہوگئی ہے اور چور کمرے کو نقب لگا کر کھانا اور اسلحہ بھی لے گیا ہے۔ محلے میں ہر جگہ تلاش کیا ہے اور ہر کسی سے پوچھا ہے، البتہ ایک بات ہے کہ بعض لوگوں نے بتایا ہے کہ آج کی رات بنو اُبیرق کے ہاں آگ جلائی گئی ہے۔ ہوسکتا ہے یہ آگ اسی چوری شدہ کھانے کی تیاری کے لیے جلائی گئی ہو۔

جب ہم اپنے محلے میں تفتیش کر رہے تھے تو اس وقت بنو ابیرق کہنے لگے: تمھارا چور لبید بن سہل (ایک صحابی) ہی ہوسکتا ہے، حالانکہ یہ شخص مسلمان تھا اور نیکی وصلاح میں مشہور تھا۔

جب لبید نے اپنے بارے میں بنو اُبیرق کی الزام تراشی سنی تو تلوار سونت کر کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے: کیا میں نے چوری کی ہے؟ اللہ کی قسم! میں تمھیں اس تلوار سے قتل کردوں گا یا پھر تم اس چوری کی حقیقت بتاؤ گے۔ بنو اُبیرق نے اپنا الزام واپس لیتے ہوئے کہا: جاؤ، بھئی اپنا کام کرو، تم نے چوری نہیں کی۔

ہم نے اپنے محلے والوں سے بھی پوچھ لیا تھا، ہمیں ان پر کوئی شک نہیں تھا۔

میرے چچا نے مجھ سے کہا: بھتیجے! تو اللہ کے رسول ﷺ کے پاس جا اور اس چوری کا تذکرہ کر۔ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور بتایا کہ اللہ کے رسول! ہمارے محلے میں کچھ بے کار لوگ رہتے ہیں۔ انھوں نے میرے چچا رفاعہ بن زید کے گھر نقب لگا کر ان کا اسلحہ اور اناج چوری کرلیا ہے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ وہ ہمارا اسلحہ واپس کردیں، اناج بے شک رکھ لیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے، میں اس کے بارے میں حکم جاری کرتا ہوں، ادھر بنو اُبیرق کو جب خبر ہوئی کہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کی عدالت میں پہنچ چکا ہے تو وہ اپنے قبیلے کے ایک آدمی اُسید بن عروہ کے پاس آئے اور اس مسئلے میں اس سے بات کی۔ اس موقع پر محلے کے دیگر افراد بھی اکٹھے ہو گئے۔ وہ سب مل کر رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور کہنے لگے: اللہ کے رسول! قتادہ بن نعمان اور ان کے چچا نے ہمارے محلے کی ایک فیملی پر بلا دلیل چوری کا الزام لگا دیا ہے، حالانکہ وہ لوگ نیک اور مسلمان ہیں۔

قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے اس چوری کے سلسلے میں بات کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو نے مسلمان اور نیک لوگوں پر بغیر ثبوت کے چوری کی تہمت لگائی ہے؟ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں واپس آ گیا اور خواہش کی کہ ہمارا سارا مال لُٹ جاتا مگر رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں بات نہ کرتا۔ بعد ازاں میرے چچا رفاعہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے: بھتیجے! کیا کر کے آئے ہو؟ میں نے انھیں رسول اللہ ﷺ کے ریمارکس بتائے تو انھوں نے کہا: اَللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ (اللہ ہی بہتر مددگار ہے۔) اس کے بعد تھوڑی دیر ہی گزری ہوگی کہ قرآن نازل ہوگیا:

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا ○ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَھُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ○ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَھُوَ مَعَھُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ○ ﴾

"(اے نبی!) بے شک ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے، تاکہ آپ کو اللہ نے جو سیدھی راہ دکھائی ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں، اور آپ خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنیں۔ اور اللہ سے بخشش مانگیں ۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اور آپ ان لوگوں کی طرف سے جھگڑا نہ کریں جو اپنے آپ سے خیانت کرتے ہیں۔ بے شک اللہ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو خیانت کرنے والا، گناہ گار ہو۔ وہ لوگوں سے (تو اپنی حرکتیں) چھپا سکتے ہیں، مگر اللہ سے نہیں چھپا سکتے اور وہ اس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ رات کو چھپ کر ایسا مشورہ کرتے ہیں جو اللہ کو پسند نہیں، اور وہ جو بھی عمل کرتے ہیں اللہ اسے گھیرے ہوئے ہے۔"[1]

جب قرآن نازل ہوا تو بنو ابیرق اسلحہ لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آگئے۔ آپ ﷺ نے وہ اسلحہ رفاعہ کی طرف بھیج دیا۔ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میرے چچا بوڑھے یا نابینا ہوگئے تھے اور ان کا اسلام بھی گڈمڈ سا تھا، لہٰذا میں نے ابھی ان کا اسلحہ ان تک نہیں پہنچایا تھا۔ مگر جب میں ان کے پاس آیا تو کہنے لگے: بھتیجے! میرا اسلحہ اللہ کی راہ میں وقف ہے۔ تب مجھے یقین ہوگیا کہ وہ سچے مسلمان ہیں۔

اُبیرق کے بیٹوں میں سے بُشیر قرآن نازل ہونے کے بعد مشرکین سے جاملا، پھر سلافہ بنت سعد بن سمیہ کے ہاں چلا گیا۔ یہ سلافہ طلحہ بن ابوطلحہ کی بیوی اور مسافع، جُلاس اور کلاب کی ماں تھی۔ یہ تینوں اور ان کا باپ طلحہ احد کے کفار مقتولین میں سے

[1] تفسير الطبري، وتفسير ابن كثير، النسآء4:105-108.

تھے۔ انھیں عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جہنم رسید کیا تھا۔

اسی بُشیر کے بارے میں قرآن نازل ہوا:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝﴾

’’اور جس شخص کے سامنے واضح شکل میں ہدایت آجائے اور اس کے بعد وہ رسول کی مخالفت کرے، اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے کی پیروی کرے، تو ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ جانا چاہے اور ہم اسے جہنم میں ڈالیں گے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ بے شک اللہ یہ گناہ ہرگز نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور وہ اس کے سوا جسے چاہے معاف کر دیتا ہے۔ اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے، تو وہ یقیناً بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا ہے۔‘‘[1]

بُشَیر جب سلافہ کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا تو سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اشعار میں اس کی ہجو کی۔ حسان رضی اللہ عنہ کی ہجو سن کر سلافہ نے اس کا کجاوہ اٹھا کر اپنے سر پر رکھا اور ابطح نامی وادی میں رکھ دیا، یعنی سلافہ نے اسے گھر سے نکال دیا اور کہا: تو حسان (رضی اللہ عنہ) کی طرف سے اپنی ہجو کے سوا کوئی بھلائی میرے پاس نہیں لایا۔[2]

[1] النسآء 4:116,115. [2] جامع الترمذي، حديث:3036، والمعجم الكبير للطبراني: 9/9-12، تفسير ابن كثير:2/407.

فوائد و اسباق

آخری آسمانی کتاب امت مسلمہ کی فطرت کے قوانین کے مطابق تربیت کرنے کے لیے نازل ہوئی ہے۔ اسی فطرت پر اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا کیا ہے۔ قرآن کریم بہترین امت کو اعلیٰ صفات اور عمدہ اخلاق سکھانے کے لیے ان سے براہ راست خطاب کرتا ہے۔ اس قسم کے اخلاق کو اپناتے ہوئے انسان زندگی میں اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوسکتا ہے اور زمین میں خلافت الٰہی قائم کرسکتا ہے۔

قرآن کریم کی آیات کی تلاوت کرنے والا دیکھتا ہے کہ قرآن مجید ایک انسان کی انفرادی، اجتماعی اور ملّی زندگی کا راستہ واضح کرتا ہے، نیز انسان کی دنیاوی اور اخروی زندگی کا اسلوب متعین کرتا ہے۔

قرآن نے بچپن، جوانی اور انسانی زندگی کے ہر ہر پہلو کو منظم انداز میں گزارنے کا طریقہ سمجھا دیا ہے۔ قرآن انسان، اس کے اہل خانہ اور ماتحتوں کے لیے ہمیشہ اعلیٰ آداب سامنے رکھتا ہے۔ معاشرے کی بنیاد خاندان ہی پر استوار ہوتی ہے، اسی بنا پر قرآن نے ہر ایک کو زندگی ہی میں اس کی ذمہ داری تفویض کردی ہے۔

مرد کی ذمہ داری زمین میں گھوم پھر کر رزق اکٹھا کرنا اور حیات کو آگے بڑھانا ہے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ مرد ہی قوّام (حاکم) ہونے کی بنا پر ایک چھوٹے سے خاندان کو آفات

اور زندگی میں پیش آنے والے مختلف ہنگاموں سے محفوظ رکھنے کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ مرد ہی خاندان کے نان و نفقے کا ذمہ دار ہے۔ وہی امن و امان کے تقاضے پورے کرتا ہے۔ یقیناً مرد حضرات ہی قبیلے کی شرافت و نجابت اور وطن کی حرمت و عزت کا دفاع کرتے ہیں اور تمام لوگوں میں عدل قائم کرنے کی ذمہ داری نبھاتے ہیں ہے۔

دوسری طرف عورت کی ذمہ داریاں ہیں۔ وہ بھی مردوں سے کم نہیں بلکہ مردوں کی ذمہ داریوں سے بڑھ کر اور پر خطر ہیں۔ وہ بچوں کی پرورش کرتی ہے، وہی بچوں کو مردانگی کا درس دیتی ہے۔ وہی سعادت مند گھرانے کی ذمہ دار ہے جہاں بچوں کا شعور اور ان کی کلا کاریاں جمع ہوتی ہیں۔

اسلام نے خاندان کو ہر قسم کی ضمانت دی ہے تا کہ وہ اپنی ذمہ داری احسن انداز سے نبھا سکے۔

قرآن نے ہمیشہ ہر مسلمان کے دل میں امن و سلامتی پیدا کرنے کی ترغیب دلائی ہے۔ اس میں زندگی کا امن، رزق کے حصول میں امن اور پر امن موت (برخلاف قتل یا خودکشی کے) شامل ہے۔ زندگی اور موت عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، پھر موت کا وقت لکھا ہوا اور مقرر ہے جو نہ پہلے ہوسکتا ہے، نہ بعد میں ہوسکتا ہے۔ اسی کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ ۝﴾

''ہر وعدے کے لیے ایک لکھا ہوا وقت ہے۔''[1]

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ذیشان ہے:

[1] الرعد 38:13.

﴿اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ﴾

”جب ان کا مقررہ وقت آجاتا ہے تو وہ (اس سے) ایک گھڑی بھی مؤخر نہیں ہوسکتے نہ (ایک گھڑی) مقدم ہوسکتے ہیں۔“ [1]

اللہ تعالیٰ نے ہر شے بڑی موزوں اور حکمت کے ساتھ پیدا کی ہے۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَآ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰىنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾

”(اے نبی!) کہہ دیجیے: ہمیں تو صرف وہی (مصیبت) پہنچے گی جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی، وہی ہمارا کارساز ہے۔ اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔“ [2]

تقویٰ اور توکل مصیبتیں ٹالنے اور کشائش رزق کے عوامل میں سے دو بڑے عامل ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا﴾

”جو شخص اللہ سے ڈرے تو وہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔ اور وہ اسے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان تک نہیں ہوتا۔ اور جو شخص اللہ پر توکل کرے تو وہ اس کے لیے کافی ہے، بے شک اللہ اپنا کام پورا کرکے رہتا ہے اور اس نے ہر چیز کے لیے اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔“ [3]

[1] یونس 49:10. [2] التوبة 51:9. [3] الطلاق 3,2:65.



سیدنا مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ

آٹھویں آیت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا
رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا
طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۡ وَّالزَّانِيَةُ
لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ○ ﴾

''چنانچہ زانیہ عورت اور زانی مرد، ان دونوں میں سے ہر ایک کو تم سو کوڑے مارو اور اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ کے دین (پر عمل کرنے) کے معاملے میں تمھیں ان دونوں (زانی اور زانیہ) پر قطعاً ترس نہیں آنا چاہیے اور مومنوں میں سے ایک گروہ ان دونوں کی سزا کے وقت موجود ہونا چاہیے۔ زانی مرد نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ یا مشرکہ عورت ہی سے اور زانیہ عورت سے نکاح نہیں کرتا مگر زانی یا مشرک مرد ہی اور مومنوں پر یہ (زنا کار سے نکاح) حرام ٹھہرایا گیا ہے۔''[1]



[1] النور 24:2،3



آیات کے بارے میں علماء کے اقوال

بعض اصحاب تفسیر اور سیرت نگاروں نے کہا ہے کہ یہ آیات سیدنا مرثد بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ اس کے لیے دیکھیے :

جامع الترمذي، حديث: 3167.

سنن أبي داود، حديث: 2051.

سنن النسائي، حديث: 3230.

مرثد بن ابی مرثد کون تھے؟ ان کے متعلق جاننے کے لیے ہمارے ساتھ رہیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے، بہادر اور جان نثار صحابی کے حالات پڑھ کر اپنے دلوں کو منور کیجیے۔

سیدنا مرثد رضی اللہ عنہ کا شمار اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور اور جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ ان کے والد ابو مرثد رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہیں۔ مکہ میں حرم کے قریب ہی رہتے ہوئے پرورش پائی۔ بہت سارے حجاج، جو کعبے کی زیارت کے لیے آتے تھے، ان سے ملتے رہتے تھے۔ اس بنا پر دنیا کے مختلف قبائل و افراد سے متعارف ہو چکے تھے۔ ان کے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے حلیف تھے۔ اس وجہ

سے مرثد رضی اللہ عنہ بھی انھی کے حلیف بنے۔ مرثد رضی اللہ عنہ اپنے حلیف کا سامانِ تجارت لے کر گرمیوں اور سردیوں کے سفروں میں شام اور یمن کی طرف جاتے تھے۔

جب اسلام کی دعوت پھیلی تو یہ بھی اپنے والد کے ساتھ ہدایت کے راستے پر گامزن ہو گئے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد دونوں باپ بیٹے کو قریش کی طرف سے مختلف قسم کی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن یہ سزائیں اور تکلیفیں باپ بیٹے کو دین اور اس کی طرف دعوت دینے اور ضرورت پڑنے پر اس کی راہ میں قربان ہونے سے نہ روک سکیں۔

جب مرثد رضی اللہ عنہ اور ان کے والد کو علم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے یثرب (مدینہ) جا رہے ہیں تو انھوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے اور لشکر اسلام میں شامل ہونے کا عزم کر لیا جو آگے چل کر مدینہ میں تیار ہونے والا تھا، چنانچہ ایک ایسا وقت آیا کہ رات کے اندھیرے میں جب قریش خوابِ خرگوش میں مست تھے، سواری دونوں باپ بیٹے کو اٹھائے مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اڑائے لیے جا رہی تھی۔

سیدنا مرثد اور ان کے والد ابو مرثد رضی اللہ عنہما مدینہ پہنچے تو مسلمانوں نے ان کا پرتپاک استقبال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انھیں مرحبا کہا اور مرثد رضی اللہ عنہ کے والد کو عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور مرثد رضی اللہ عنہ کو اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کے ساتھ اخوت کی لڑی میں پرو دیا۔

یہ اوس بن صامت وہی ہیں جنھوں نے اپنی بیوی خولہ بنت ثعلبہ سے أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي کہہ کر ظہار (اپنے اوپر حرام) کر لیا تھا، پھر ان کے اس مسئلے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن اتارا تھا:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝﴾

’’(اے نبی!) یقیناً اللہ نے اس عورت (خولہ بنت ثعلبہ) کی بات سن لی جو اپنے خاوند (اوس بن صامت) کے متعلق آپ سے جھگڑ رہی تھی اور وہ اللہ کی طرف شکایت کر رہی تھی، اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا، بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔‘‘[1]

مدینۃ الرسول میں آ کر مرثد رضی اللہ عنہ نے فنون سپاہ گری سیکھے اور فداکاری اور جانبازی کی خوب مہارت حاصل کی۔ دعوت اسلام ابھی اپنے ابتدائی مراحل میں تھی، اس لیے اسلام کو ایسے کارآمد اور بہادر لوگوں کی شدید ضرورت تھی۔ قریش مکہ نے مکہ میں بعض مسلمانوں کو اپنے ہاں قید کر رکھا تھا۔ وہ انھیں مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے سے روکتے تھے۔ مرثد رضی اللہ عنہ مکہ میں قید مسلمانوں کو قریش کے ٹارچر سیلوں سے اٹھا کر آزاد کرانے اور انھیں مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچانے کا اہم فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ اس عظیم مقصد کے لیے مرثد رضی اللہ عنہ کو مکہ کی طرف کئی سفر کرنے پڑے۔ آخری سفر میں وہ مسلمان قیدیوں کی ایک جماعت لے کر لوٹے تھے۔ اسی مہم کے دوران میں انھوں نے ایک رات ایک قیدی مسلمان سے وعدہ کیا کہ میں تجھے قید سے چھڑا کر اپنے ساتھ مدینہ لے جاؤں گا۔

مرثد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب وعدے کا وقت آ پہنچا تو میں چاندنی رات میں قیدی کی طرف چل پڑا۔ مکہ کی دیواروں میں سے ایک دیوار کے پاس پہنچا تو عناق نامی ایک عورت کی مجھ پر نظر پڑ گئی۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ میرے ساتھ رہ چکی تھی، کہنے لگی: تم مرثد ہو؟ میں نے جواب دیا: ہاں! میں مرثد ہوں۔ کہنے لگی: خوش آمدید، مرحبا، آیئے، آج کی رات ہمارے ہاں بسر کیجیے۔ میں نے کہا: عناق! اللہ تعالیٰ نے

[1] تفسیر ابن کثیر، المجادلۃ 58:1.

زنا اور بے حیائی حرام کردی ہے۔ میری بات سے گویا اسے جھٹکا لگا اور فوراً شور مچانے لگی: او لوگو! وہ شخص یہ ہے جو تمھارے قیدی اٹھاتا ہے۔ عناق کا شور سن کر آٹھ آدمی میرے پیچھے دوڑے۔ میں پہاڑی راستے کی طرف چلتا ہوا ایک غار میں چھپ گیا۔ وہ بھی میرے پیچھے تھے، جلد ہی میرے سر پر پہنچ گئے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے انھیں اندھا کردیا تھا۔ تھوڑی دیر تک میری تلاش میں رہے بالآخر واپس چلے گئے۔ میں بھی غار سے باہر آیا اور اپنے مسلمان قیدی بھائی کے پاس پہنچ گیا۔ میرا یہ بھائی ذرا وزنی تھا۔ میں نے اسے اٹھایا اور اذخر [1] تک لے آیا، پھر اس کی بیڑیاں کاٹیں اور ہم سب رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ [2]

اس واقعے کے بعد مرثد رضی اللہ عنہ مکہ نہ جا سکے کیونکہ قریش نے جاسوس پھیلا دیے تھے اور جگہ جگہ مورچے بنا دیے تھے۔ جب حالات اس حد تک پہنچ چکے تو پھر قریش اور کفر کی جماعت سے نبٹنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا ضروری تھا۔ اسی دوران میں بدر کا معرکہ پیش آگیا۔ اس غزوے میں مرثد رضی اللہ عنہ اپنے ''سبل'' نامی گھوڑے پر سوار تھے۔ اس جنگ میں انھوں نے شجاعت و بسالت کے جوہر دکھائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلمانوں کو اس جنگ میں زبردست فتح حاصل ہوئی تھی۔

اس کے بعد جنگ احد کا معرکہ پیش آیا اور وہ بھی اپنے انجام کو پہنچا۔

ہجرت کے تیسرے سال ایک اور عظیم سانحہ پیش آگیا۔ ہوا یوں کہ عضل اور قارہ نامی دو قبیلوں کے چند آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے: اللہ کے رسول! ہمارے ہاں اسلام پھیل رہا ہے۔ آپ اپنے ساتھیوں میں سے چند افراد ہمارے ساتھ

---

[1] أذخر، ذُخر یا اذاخر مکہ مکرمہ کے ایک علاقے کا نام ہے۔ [2] تفسیر ابن کثیر: 10/6، و جامع الترمذي، حدیث: 3177، و الدر المنثور فی التفسیر: 626/10.

روانہ کر دیجیے تاکہ وہ ہمیں دین سمجھائیں اور قرآن پڑھائیں، نیز اسلام کے احکام کی تعلیم دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا مطالبہ تسلیم کر لیا اور اپنے صحابہ میں سے چھ افراد کا انتخاب فرمایا۔[1] اور وہ حمزہ رضی اللہ عنہ کے حلیف مرثد بن ابی مرثد غنوی تھے، خالد بن بکیر لیثی جو بنو عدی بن کعب کے حلیف تھے، عاصم بن ثابت بن ابی اقلح، خبیب بن عدی جو بنو جحجبی سے تھے، زید بن دثنہ بن معاویہ جو بنو بیاضہ بن عمرو سے تھے اور عبداللہ بن طارق جو بنو ظفر کے حلیف تھے۔ یہ سب صحابہ منتخب، نمایاں اور بہادر مانے جاتے تھے۔ ہر ایک اچھا مسلمان تھا اور اسلام کا داعی تھا۔ ان لوگوں نے شرعی احکام سیکھ رکھے تھے، علاوہ ازیں حرب و ضرب میں بھی مہارت حاصل کی ہوئی تھی اور یہ لوگ انتہائی غیرت مند تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے مرثد بن ابو مرثد رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔ اللہ کا نام لے کر یہ قافلہ روانہ ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی جو منزل مقصود متعین کی تھی اس کی طرف یہ صحابہ رواں دواں تھے۔ جب یہ قافلہ حجاز کے قریب ہی ہذیل قبیلے کے چشمے رجیع کے پاس پہنچا تو قبیلے والوں نے ان کے خلاف اپنی مدد کے لیے زور زور سے پکارنا شروع کر دیا۔ ان کی فریاد سن کر اسی قبیلے کے لوگ تلواریں لے کر نکل آئے اور مسلمانوں کو گھیر لیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ حالات دیکھے تو انھوں نے بھی تلواریں نکال لیں اور عہد شکن کافروں سے لڑنے لگے۔

کافروں نے ان سے کہا: اللہ کی قسم! ہمارا مقصد تمھیں قتل کرنا نہیں بلکہ ہمارا ارادہ یہ ہے کہ ہم تمھیں اہل مکہ کے ہاں فروخت کر کے ان سے مال کمائیں۔ ہم اللہ کی قسم

[1] المعجم الكبير للطبراني: 15/259، و السيرة النبوية لابن هشام: 4/122.

کھاتے ہیں اور اس کے نام کا پختہ عہد کرتے ہیں کہ ہم تمھیں قتل نہیں کریں گے۔ کیا کسی دھوکے باز سے کسی قسم کا عہد معاہدہ کیا جاسکتا ہے؟ کیا کسی مشرک سے قول قرار لیا جاسکتا ہے؟ ان لوگوں نے امانت میں خیانت کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو دھوکا دیا تھا، لہٰذا ان سے کوئی معاہدہ اور قول قرار نہیں ہوسکتا، لہٰذا حضرت مرثد، عاصم بن ثابت اور خالد بن بکیر رضی اللہ عنہم دھوکے باز کافروں سے لڑائی پر متفق ہو گئے اور کہنے لگے: ہمیں کسی مشرک کے عہد و پیمان کی ضرورت نہیں۔ [1]

عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ ایک بلند ٹیلے پر چڑھ گئے اور اپنی تلوار لہراتے ہوئے یہ شعر کہے:

مَا عِلَّتِي وَ أَنَا جَلْدٌ نَابِلُ
وَالْقَوْسُ فِيهَا وَتَرٌ عُنَابِلُ
تَزِلُّ عَنْ صَفْحَتِهَا الْمَعَابِلُ
وَالْمَوْتُ حَقٌّ وَّالْحَيَاةُ بَاطِلُ
وَ كُلُّ مَا حَمَّ الْإِلٰهُ نَازِلُ
بِالْمَرْءِ وَالْمَرْءُ إِلَيْهِ آيِلُ
إِنْ لَّمْ أُقَاتِلْكُمْ فَأُمِّي هَابِلُ

”میرا کیا عذر ہے کہ میں نہ لڑوں جبکہ میں مضبوط نوجوان اور ماہر تیر انداز ہوں۔ میری کمان میں موٹی مضبوط تانت (ڈوری) لگی ہوئی ہے۔“

”اس سے تیر بڑی تیزی سے پھسل پھسل کر نکلتے ہیں۔ اور موت برحق شے

[1] البداية والنهاية: 73/4، و تاريخ الأمم والملوك: 2/77-79.

ہے جبکہ دنیا کی زندگانی تو باطل (ایک نہ ایک دن ختم ہونے والی) ہے۔''

اللہ مالک الملک نے انسانوں کے جو مقدر کر دیا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ ہر آدمی اس کی طرف لوٹ کر جانے والا ہے۔''

''اگر میں ان سے لڑائی نہ کروں تو میری ماں مر جائے!''[1]

اس کے بعد اللہ کے تینوں شیروں نے مشرکوں سے لڑائی کے لیے جست لگائی اور ان سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ شہید ہونے والے یہ اصحاب مرثد بن ابو مرثد، خالد بن بکیر، اور عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہم تھے۔

قبیلۂ ہذیل کے لوگوں نے سیدنا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کا سر کاٹنے کی بڑی کوشش کی۔ وہ ان کا سر کاٹ کر سلافہ بنت سعد کے ہاتھ بیچنا چاہتے تھے کیونکہ جنگ احد کے دن سلافہ کے باپ کو عاصم رضی اللہ عنہ نے جہنم رسید کیا تھا۔ سلافہ نے نذر مانی تھی کہ اگر عاصم کا سر مل جائے تو میں اس میں شراب پیوں گی۔ کیا ہذیل عاصم رضی اللہ عنہ کا سر کاٹ سکے؟ نہیں! ہرگز نہیں!

سیدنا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے زندگی میں اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا تھا کہ نہ میں کسی مشرک کو چھوؤں گا اور نہ کوئی مشرک مجھے چھو سکے کیونکہ مشرک نجس ہوتا ہے۔[2] چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ولی اور دوست کی یقینی حفاظت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ عاصم اور مشرکوں کے درمیان حائل ہو گیا۔

عاصم رضی اللہ عنہ شہید ہو کر جیسے ہی زمین پر گرے اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کا لشکر بھیج دیا۔ اس لشکر نے عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش کا احاطہ کر لیا جس نے عاصم رضی اللہ عنہ کا مکمل دفاع کیا۔

---

[1] البداية والنهاية: 4/74,73، والسيرة النبوية لابن هشام: 4/123. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 4/124.

جو بھی مشرک لاش کے قریب آنے کی کوشش کرتا، یہ مکھیاں اسے ڈنک مارتیں۔ اس کے نتیجے میں کوئی بھی پلید مشرک عاصم رضی اللہ عنہ کو چھو نہ سکا۔ مشرک کہنے لگے: لاش ابھی ادھر ہی پڑی رہے، رات ہوگی تو یہ مکھیاں اپنے گھروں کو چلی جائیں گی تو ہم اپنا کام کر لیں گے۔ جیسے ہی شام ہوئی اللہ تعالیٰ نے ایسا زبردست سیلاب بھیجا جو سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش، جہاں اللہ نے چاہا، بہا لے گیا۔[1] یہ اللہ کے لشکر ہیں جو اس کے بندوں کے ساتھ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ لشکر اس کے بندوں کی مدد و نصرت کے لیے، نیز ان کی حفاظت کے لیے ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمانِ ذی شان ہے:

﴿وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝﴾

''اور آسمانوں اور زمین کے (سب) لشکر اللہ ہی کے لیے ہیں، اور اللہ نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے۔''[2]

نیز فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝﴾

''اور بلاشبہ ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا۔''[3]

اللہ کے رسول ﷺ کے تین جاں نثار اپنی جانیں اللہ کی راہ میں نچھاور کر چکے تھے۔ ان کے بقیہ تین ساتھی حضرت زید بن دثنہ، خبیب بن عدی اور عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہم مشرکوں کی باتوں میں آ گئے اور کچھ نرم پڑ گئے۔ زندہ رہنے کی خواہش نے جوش مارا اور

[1] السيرة النبوية لابن كثير: 127/3، والرحيق المختوم، ص: 267. [2] الفتح 7:48. [3] الصّٰفّٰت 173:37.

انھوں نے اپنا آپ مشرکوں کے سپرد کر دیا۔ مشرکوں نے انھیں قید کر لیا اور وہ صحابہ کو مکہ میں فروخت کرنے کے لیے اپنے ساتھ لے کر چل پڑے۔ جب وہ مرالظہران پہنچے تو حضرت عبد اللہ بن طارق رضی اللہ عنہ نے رسی سے بندھا ہوا اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور اپنی تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے۔ مشرکوں نے دیکھا تو سہم کر پیچھے ہٹ گئے، پھر پتھر مار مار کر انھیں شہید کر دیا۔

اب وہ خبیب بن عدی اور زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما کو مکہ لے آئے۔ ان دونوں قیدیوں کو خریدنے کے لیے قریش جمع ہو گئے۔ خبیب رضی اللہ عنہ کو حُجیر بن ابی اہاب نے خرید لیا۔ وہ انھیں اپنے باپ کے عوض میں قتل کرنا چاہتا تھا جو خبیب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں جنگ بدر میں مردار ہوا تھا۔

خبیب رضی اللہ عنہ مشرکین کی قید میں تھے۔ جب انھوں نے خبیب رضی اللہ عنہ کے قتل کا فیصلہ کر لیا تو انھوں نے حارث کی کسی بیٹی سے صفائی کے لیے استرا مانگا تو اس نے استرا بھیج دیا۔ اس دوران میں وہ اپنے ایک چھوٹے بیٹے سے غافل ہو گئی۔ وہ چلتا چلتا خبیب رضی اللہ عنہ کے پاس آ پہنچا۔ انھوں نے اس بچے کو اپنی ران پر بٹھا لیا۔ جب بچے کی ماں کا دھیان اس طرف ہوا تو بچے کو اس حالت میں دیکھ کر سخت گھبرا گئی۔ خبیب رضی اللہ عنہ اس کی گھبراہٹ بھانپ گئے اور کہنے لگے: کیا تو ڈر رہی ہے کہ میں اسے قتل کر دوں گا؟ اللہ نے چاہا تو میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔

وہ عورت بعد میں مسلمان ہو گئی تھی۔ کہتی ہے: میں نے خبیب رضی اللہ عنہ سے اچھا کوئی قیدی نہیں دیکھا۔ میں دیکھا کرتی تھی کہ ان کے پاس انگوروں کا گچھا ہے جس سے یہ کھا رہے ہوتے تھے، حالانکہ اس موسم میں مکہ میں انگوروں کا نام و نشان بھی نہ ہوتا تھا

جبکہ یہ خود لوہے کی بیڑیوں میں قید ہوتے تھے۔ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق تھا جو اللہ نے اپنے دوست اور محبوب خبیب رضی اللہ عنہ کو عطا کیا تھا۔ [1]

خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت

منصوبے کے مطابق مشرکین جب خبیب رضی اللہ عنہ کو لے کر حرم سے باہر نکلے تو انھوں نے قریش سے ایک انوکھی خواہش کا اظہار کیا۔ فرمانے لگے: مجھے موت سے کوئی ڈر نہیں مگر میں چاہتا ہوں کہ اللہ کی ملاقات سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرلوں۔ کافر اور اللہ کے باغی کیا جانیں کہ نماز میں کیسی لذت اور حلاوت ہے۔ انھوں نے دو رکعت نماز ادا کی جو ان کی زندگی کی آخری نماز تھی۔ خبیب رضی اللہ عنہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہوکر انتہائی خشوع و خضوع سے نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو کفار کو مخاطب کر کے کہنے لگے: اگر تم مجھے یہ طعنہ نہ دیتے کہ میں موت سے ڈر گیا ہوں تو اس سے زیادہ لمبی نماز پڑھتا۔ آج کی پڑھی گئی نماز کی لذت ہی علیحدہ تھی۔ [2]

اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ خبیب رضی اللہ عنہ تاریخ میں وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے قتل کے وقت نماز کو رواج دیا۔ نماز سے فارغ ہوکر خبیب رضی اللہ عنہ نے اللہ کے حضور ایسی دعا فرمائی جس سے کافروں کے دل دہل گئے۔ خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ! أَحْصِهِمْ عَدَدًا، وَاقْتُلْهُمْ بَدَدًا، وَلَا تُبْقِ مِنْهُمْ أَحَدًا.

''اے اللہ! یہ جتنے کافر (میرے قتل کا تماشا دیکھنے آئے) ہیں، انھیں شمار کرلے، انھیں ایک ایک کرکے قتل کردے اور ان میں سے کسی کو باقی نہ رکھ۔''

[1] صحيح البخاري، حديث:3045، و مسند أحمد:294/2. [2] صحيح البخاري، حديث: 3045، و مسند أحمد:294/2.

جب خبیب رضی اللہ عنہ سولی کی طرف جاتے ہوئے مشرکین کے قریب ہوئے تو پھر ان کو مخاطب کر کے فرمانے لگے۔

فَلَسْتُ أُبَالِي حِينَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا
عَلَى أَيِّ شِقٍّ كَانَ فِي اللّٰهِ مَصْرَعِي
وَ ذٰلِكَ فِي ذَاتِ الْإِلٰهِ وَ إِنْ يَّشَأْ
يُبَارِكْ عَلَى أَوْصَالِ شِلْوٍ مُّمَزَّعِ

"جب میں اللہ کی راہ میں حالتِ اسلام میں قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ اللہ کی خاطر کس پہلو پر مجھے قتل کیا جا رہا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ کی راہ میں ہے، اگر وہ چاہے گا تو جسم کے ایک ایک کٹے ہوئے ٹکڑے میں برکت ڈال دے گا۔"

اس کے بعد عقبہ بن حارث نیزہ لے کر آگے بڑھا اور خبیب رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔[1]

خبیب رضی اللہ عنہ کے واقعات پر نظر ڈالیں تو چند امور سامنے آتے ہیں:

خبیب رضی اللہ عنہ قتل سے بچ کر بھاگ سکتے تھے۔ وہ بچے کو، جو کھیلتا ہوا ان کے پاس آ گیا تھا، یرغمال بنا کر خود قتل سے محفوظ ہو سکتے تھے، نیز وہ اس بچے کو قتل کر کے اپنے قتل کا انتقام لے سکتے تھے کیونکہ وہ خود تو قتل ہو ہی رہے تھے، ایک دشمن کا خون بھی ہو جاتا لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ ایک مسلمان کی تربیت قرآن کی درس گاہ میں ہوئی ہے، اس لیے اس کی ہمیشہ کوشش ہوتی ہے کہ اپنے اخلاق عمدہ بنائے اور اپنے دین کی حفاظت کرے۔

[1] صحيح البخاري، حديث:3989، 4086، وسنن أبي داود، حديث:2660، و مسند أحمد: 294/2.

سیدنا زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

سیدنا زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو صفوان بن امیہ نے خرید لیا تھا (بعد میں یہ بھی مسلمان ہوگئے تھے) تاکہ انھیں اپنے باپ امیہ بن خلف کے بدلے میں قتل کر دے۔ جب مکہ والوں نے زید اور خبیب رضی اللہ عنہما کو خریدا تو یہ حرمت والا مہینہ تھا جس میں لڑائی اور قتل و غارت کو مشرکین بھی حرام سمجھتے تھے۔ اس حرمت والے مہینے کے گزرنے پر انھیں قتل کیا جانا تھا۔ جب حرمت والا مہینہ گزر گیا تو صفوان بن امیہ نے زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنا غلام نِسطاس بھیجا کہ وہ انھیں لے کر حرم سے باہر تنعیم کے مقام پر لے جائے تاکہ انھیں وہاں جا کر شہید کیا جائے۔

ان کے قتل کا نظارہ کرنے کے لیے قریش کی کثیر تعداد جمع تھی۔ ان میں ابوسفیان بن حرب بھی تھے جو تا حال مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ جب زید رضی اللہ عنہ کو قتل کے لیے سُولی کے قریب کیا گیا تو ابوسفیان بن حرب نے پوچھا: زید! تجھے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں: کیا تو اس بات پر راضی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس وقت ہمارے پاس تیری جگہ پر ہوتے اور تیرے بجائے ہم ان کی گردن اڑا دیتے اور تو اپنے گھر میں آرام کرتا۔

زید رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو منہ توڑ جواب دیا، فرمایا: اللہ کی قسم! میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جہاں ہیں، وہاں آپ کو کانٹا بھی چبھے جس سے آپ کو تکلیف ہو اور میں اپنے گھر میں آرام کروں۔

تب ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) نے کہا: میں نے آج تک کسی کو کسی سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محبت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کرتے ہیں۔ پھر نِسطاس نے

انھیں شہید کر دیا۔ رضی اللہ عنہ و أرضاہ۔[1]

مرثد رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«إِنْ سَرَّكُمْ أَنْ تُقْبَلَ صَلَاتُكُمْ فَلْيَؤُمَّكُمْ خِيَارُكُمْ، فَإِنَّهُمْ وَفْدُكُمْ فِيمَا بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ رَبِّكُمْ»

"اگر تمھیں یہ بات پسند ہو کہ تمھاری نمازیں مقبول ہوں تو تمھارے اچھے لوگ تمھاری امامت کرائیں کیونکہ وہ تمھارے اور تمھارے رب کے درمیان نمائندے ہیں۔"[2]

رجیع کا حادثہ، جس میں مرثد رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی دھوکے سے شہید کر دیے گئے تھے، صفر کے مہینے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے چھتیس ماہ (تین سال) بعد پیش آیا۔

اللہ تعالیٰ مرثد بن ابومرثد رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے اور انھیں اپنی کشادہ جنتوں میں جگہ دے۔ بے شک وہ دعاؤں کا سننے والا ہے اور وہی سیدھے راستے کی راہنمائی کرتا ہے۔

---

[1] المستدرك للحاكم: 349/4. [2] المستدرك للحاكم: 222/3، حديث: 4981، والاستيعاب، ص: 662.

آیات کی شان نزول

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: ایک شخص، جنھیں مرثد بن ابو مرثد رضی اللہ عنہما کہا جاتا تھا، مکہ سے مسلمان قیدی اٹھا کر مدینہ لایا کرتے تھے۔ وہ کہتے ہیں: مکہ میں عناق نام کی ایک بدکار عورت رہتی تھی۔ قبل از اسلام مجھ سے اس کی دوستی تھی۔ ایک مرتبہ میں نے مکہ میں کسی مسلمان قیدی سے وعدہ کیا کہ میں اسے لینے آؤں گا۔ میں وعدے کے مطابق مکہ آیا اور چاندنی رات میں ایک دیوار کے سائے میں کھڑا تھا کہ عناق آگئی۔ دیوار کے ساتھ سایہ محسوس کر کے ذرا قریب ہوئی تو اس نے مجھے پہچان لیا اور کہا: مرثد ہو؟ میں نے جواب دیا: ہاں، مرثد ہوں۔

عناق نے کہا: مرحبا، خوش آمدید، آؤ اور رات میرے ساتھ بسر کرو۔ میں نے کہا: عناق! اللہ تعالیٰ نے زنا حرام قرار دیا ہے۔ یہ سن کر اس نے شور مچا دیا: مکہ والو! یہ شخص تمھارے قیدی اٹھاتا ہے۔ میں نے وہاں سے دوڑ لگادی تو میرے پیچھے آٹھ آدمی لگ گئے۔ میں خندمہ کے پہاڑوں کی طرف بھاگنے لگا۔ بھاگتے بھاگتے میں ایک غار یا گڑھے میں داخل ہو گیا۔ وہ بھی میرے پیچھے پہنچ گئے تھے۔ اللہ نے انھیں اندھا کر دیا تھا، وہ مجھے دیکھ نہ سکے۔ ان میں سے کسی نے پیشاب کیا تو وہ میرے سر پر گرا۔ تھوڑی دیر تلاش کرنے کے بعد وہ واپس چلے گئے۔

ان کے چلے جانے کے بعد میں بھی اپنے ساتھی کے پاس آیا۔ اسے اٹھا کر اذخر مقام

پر لے آیا۔ یہ آدمی بھاری بھر کم تھا۔ میں نے اس کی لوہے کی بیڑیاں کھولیں اور پھر میں اسے مدینہ لے آیا۔ اس کے وزنی پن نے مجھے خاصا تھکا دیا تھا۔

میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے درخواست کی: اللہ کے رسول! کیا میں عناق سے شادی کرلوں؟ رسول اللہ ﷺ کچھ دیر خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمادیا:

﴿ اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً٘ وَّالزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ ﴾

”زانی مرد نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ یا مشرکہ عورت ہی سے اور زانیہ عورت سے نکاح نہیں کرتا مگر زانی یا مشرک مرد ہی۔“ [1]

رسول اللہ ﷺ نے مرثد رضی اللہ عنہ کو سورۂ نور کی آیت تلاوت کر کے سنائی اور فرمایا: «فَلَا تَنْكِحْهَا» ”تو اس سے نکاح نہ کر۔“ [2]

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب مرثد اور عاصم رضی اللہ عنہما شہید ہو گئے تو منافقین نے باتیں بنانی شروع کر دیں۔ کہنے لگے: ان جان کے دشمنوں پر افسوس! انھوں نے کیسی بے مقصد جانیں دی ہیں، نہ انھوں نے گھر میں آرام کیا اور نہ اپنے نبی کا پیغام پہنچا سکے۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰی مَا فِیْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ ﴾

[1] تفسير البغوي، والدر المنثور في التفسير، النور 3:24. [2] جامع الترمذي، حديث: 3177، وسنن أبي داود، حديث: 2051.

”اور (اے نبی!) لوگوں میں کوئی تو ایسا ہے کہ آپ کو اس کی بات دنیا کی زندگی میں بہت بھلی لگتی ہے اور جو کچھ اس کے دل میں ہے اس پر وہ اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہے، حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔ اور جب وہ پلٹتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ زمین میں فساد پھیلائے کھیتوں اور نسل کو تباہ کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔“ [1]

سریہ عاصم، یعنی حادثہ رجیع کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ﴾

”اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کی رضا مندی حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو (اس کے ہاتھ) بیچ ڈالتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بہت شفیق ہے۔“ [2]

امام ابوداود رحمہ اللہ نے یہ قصہ اختصار سے بیان کیا ہے۔ مرثد بن ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہ مکہ سے مسلمان قیدی اٹھایا کرتے تھے۔ مکہ میں ایک عناق نامی زانیہ عورت تھی جو مرثد رضی اللہ عنہ کی دوست رہ چکی تھی۔ مرثد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اللہ کے رسول! کیا میں عناق سے نکاح کرسکتا ہوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے حتی کہ آیت نازل ہوگئی:

﴿وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ﴾

”زانیہ عورت سے نکاح نہیں کرتا مگر زانی یا مشرک مرد ہی۔“ [3]

---

[1] الدر المنثور في التفسير، وتفسير الطبري، البقرة 2:204، 205. [2] الدر المنثور في التفسير، وتفسير الطبري، البقرة 2:207. [3] النور 24:3.

رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلا کر قرآن کی آیت تلاوت کی اور فرمایا: اس سے نکاح نہ کرو۔'' [1]

امام نسائی رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ان آیات کی شان نزول کسی دوسری عورت کے حوالے سے بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں: ام مہزول نامی ایک بدکار عورت تھی اور وہ بدکاری کا پیشہ کرتی تھی۔ صحابہ میں سے کسی نے اس سے شادی کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور کی مذکورہ آیات نازل فرما دیں۔ [2]

سعید بن منصور نے مجاہد سے بیان کیا ہے، انھوں نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے زنا کی حرمت کا حکم نازل فرمایا تو کچھ لوگوں کے پاس زانی عورتیں تھیں اور وہ خوبصورت بھی تھیں۔ ان لوگوں نے کہا: انھیں ایک دفعہ طلاق دیکر دوبارہ انھی عورتوں سے نکاح کرلیں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما دیں۔ [3]

[1] سنن أبي داود، حديث:2051، و جامع الترمذي، حديث: 3176. [2] سنن النسائي الكبرىٰ، حديث: 11359. [3] تفسير جلالين، النور 3:24، و سنن الكبرى للبيهقي: 153/7.

فوائد واسباق

اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ پر جہاد فرض کیا ہے۔ جہاد شریعت اسلامیہ میں ایک بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو قوم اپنی نسلوں میں جہاد جاری نہیں کرتی اور نہ ان پر لازمی قرار دیتی ہے وہ ان معاشروں میں جینے کا حق نہیں رکھتی جن میں معقول باتوں کو ٹھکرایا جاتا ہو اور اللہ کی شریعت کو کالعدم سمجھا جاتا ہو، نیز وہاں شیطان کا غلبہ ہو۔

اسلام قوت و طاقت کا دین ہے۔ اسے قوتوں والے غالب رب نے جاری کیا ہے۔ صابر و بردبار، اولو العزم اور امین نبی نے اسے امت تک پہنچایا ہے۔ قرآن کریم اس کی بنیاد ہے جس نے ہر مدمقابل کو چیلنج کیا ہے اور اسے مغلوب کر کے چھوڑا ہے۔ قرآن کی زبان عربی ہے جس نے دوسری ہر زبان کو گونگا کر دیا ہے۔ قرآن مجید ہی نے یہ بات واضح کی ہے کہ جو شخص قوت و طاقت، قوی عزم، مضبوط ایمان، پختہ عقیدے کا حامل اور مجاہد نہ ہو وہ اسلام کے بغیر مسلم، ایمان کے بغیر مومن اور ضمیر کے بغیر انسان ہے۔

چشمِ فلک نے وہ دن بھی دیکھے ہیں جب امت مسلمہ نے انتہائی مختصر عرصے میں تمام آباد دنیا پر توحید کا ڈنکا بجا دیا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب امت اسلامیہ نے پرچمِ جہاد تھاما ہوا تھا اور عقیدے کی خاطر شہادت کا حصول فخر سمجھا جاتا تھا۔

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں فرمایا کرتے تھے: میری نئی نئی شادی ہوئی ہو اور میری بیوی جس سے مجھے محبت ہو، وہ میرے پاس ہو یا مجھے بیٹے کی پیدائش کی خوشخبری سنائی جائے تو یہ چیزیں مجھے اس انتہائی سرد رات سے زیادہ محبوب نہیں جس میں مجاہدین دشمن سے برسرِ پیکار ہوں، لہٰذا تم بھی جہاد ہی کو اپناؤ۔ [1]

اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ایسے ایمان والوں کا وصف بیان فرمایا ہے:

﴿ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ ﴾

"وہ رات کو بہت ہی تھوڑا سوتے تھے۔" [2]

بے شک وہ تو ہمیشہ سرحدوں کی حفاظت میں رہتے ہیں۔ راتوں کو بھی بیدار رہتے ہیں۔ وہ اپنے رب کی یاد سے لمحہ بھر بھی غافل نہیں ہوتے۔ وہ اپنے اللہ کے حکموں کی ایک بار بھی سرتابی نہیں کرتے، نیز وہ اپنے آپ کو ہوش و حواس میں رکھتے ہیں، دین اور وطن کے دشمنوں سے آنکھیں بند نہیں رکھتے۔ انھوں نے اپنے رب کا یہ اعلان سن رکھا ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

"اے ایمان والو! کیا میں تمھیں ایسی تجارت بتاؤں جو تمھیں دردناک عذاب

[1] عبقرية خالد للأستاذ عباس محمود العقاد، والبداية والنهاية: 130/7، و مختصر تاريخ دمشق: 37/3. [2] الذّٰريٰت51:17.

سے نجات دے؟ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ۔ یہ تمھارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔ وہ (اللہ) تمھارے گناہ بخش دے گا اور تمھیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور پاکیزہ محلات میں (جو) ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں ہیں، یہ ہے عظیم کامیابی۔ اور ایک اور (نعمت) جسے تم پسند کرتے ہو، اللہ کی طرف سے مدد اور فتح قریب، اور مومنوں کو بشارت دے دیجیے۔''[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے رب کا اعلان سنا تو فوراً اس پر لبیک کہا۔ انھیں یقین تھا کہ یہی راستہ اللہ کی نصرت و مدد کا ہے۔ یہ اس کی شرائط ہیں:

* اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر پختہ ایمان۔
* اللہ کے راستے میں مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنا۔

پختہ ایمان عقیدے کی درستی کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا اور عقیدہ بھی وہی مطلوب ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا۔ ان کے سامنے دنیا فتح ہوتی چلی گئی اور سارا عالم ان کے راستے میں بچھتا چلا گیا۔

یہ بات برحق ہے کہ ہر شخص کے نزدیک جنگ انتہائی مکروہ اور ناپسندیدہ چیز ہے۔ جنگ نوجوانوں کو کھا جاتی ہے اور بوڑھوں اور بچوں کو ہلاک کر دیتی ہے۔ اسی وجہ سے جنگ کی آگ بھڑکانا اور جنگ کرنا دونوں ناپسندیدہ ہیں۔

قرآن نے اس کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:

[1] الصف 61:10-13.

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝﴾

''تم پر جہاد فرض کر دیا گیا ہے اور وہ تمھارے لیے ناگوار ہے اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمھارے لیے بہتر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمھارے لیے بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''[1]

لیلة الثلاثاء

1433/4/25ھ

2012/3/19م

ابوزید اقبال صدیق المدنی

[1] البقرة 2:216.

رجالِ قرآن

وہ مردانِ حق جن کے بارے میں قرآن کریم نازل ہوا

آج کے اس پرفتن دور میں جبکہ نوجوان نسل بتدریج اسلام سے دور ہو رہی ہے، اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم اپنے نوجوانوں کو اپنے اسلاف کی سیرت پڑھائیں، نوجوان نسل کو بتائیں کہ ان کے اخلاق وکردار کیسے تھے اور انھوں نے اسلام کے لیے کتنی قربانیاں پیش کیں۔

''رجالِ قرآن'' کے فاضل مؤلف ڈاکٹر عبدالرحمٰن عمیرہ کا اسلوب بیان بڑا عمدہ ہے۔انھوں نے بالکل کہانی کے انداز میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت اس کتاب میں بیان کی ہے جن کے بارے میں قرآن کریم میں آیات نازل ہوئی ہیں۔ انھوں نے اس کتاب میں صحابہ کرام ہی نہیں بلکہ ان کفار اور منافقین کے بارے میں بھی پوری تفصیل کے ساتھ لکھا ہے جن کے بارے میں قرآن نازل ہوا، کتاب میں موجود واقعات تاریخ کی مستند کتابوں سے نقل کیے گئے ہیں۔ ان واقعات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مبارک زندگیوں میں ہمارے لیے دروس ہیں۔

دارُالسّلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ